فکری مسائل کا اِسلامی حل

اِفادات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

زیرِ اہتمام

منہاج سی ڈیز اینڈ بکس، فیصل آباد

مدینہ سنٹر سلیمی چوک ستیانہ روڈ

فون: 041-853-1823, 0333-653-5402

sales@minhajcds.com

رسول پلازہ کوتوالی چوک

فون: 041-261-3151, 0300-660-3649

marketing@minhajcds.com

www.facebook.com/MinhajCDs

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	فکری مسائل کا اِسلامی حل
اِفادات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
مرتب	:	عبدالستار منہاجین
ناشر	:	منہاج سی ڈیز اینڈ بکس، فیصل آباد
مطبع	:	نایاب پرنٹرز، امین پور بازار فیصل آباد 0344-551-2555
اِشاعتِ اوّل	:	جنوری 2012ء تعداد: 1100
اِشاعت دُوم	:	مارچ 2012ء تعداد: 1100
اِشاعت سوم	:	جولائی 2012ء تعداد: 2200
اِشاعت چہارم	:	ستمبر 2012ء تعداد: 1100
قیمت	:	-/150 روپے

زیرِنظر تالیف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے
ہزارہا خطابات / انٹرویوز اور سیکڑوں تصانیف کی ورق گردانی کے بعد
جدید مسائل کے حل بارے اِقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔
نوٹ: تمام موضوعات اپنی جگہ مکمل مضمون کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ملنے کے پتے

منہاج القرآن پبلی کیشنز / مرکزی سیل سنٹر
365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 042-111-140-140, 042-3516-5338

منہاج القرآن سیل سنٹر
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-3723-7695

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	تعارف شیخ الاسلام	6
1	اِجتہاد کی ضرورت و ناگزیریت	9
2	مسالک کی شرعی حیثیت / فقہ کیوں ضروری ہے؟	10
3	کفر کے فتوے...... نازیبا طرزِ عمل	13
4	فرقہ واریت کا علاج	15
5	اِتحادِ اُمت کا قرآنی فارمولا	16
6	اتحادِ اُمت میں حائل رکاوٹیں	17
7	اعلیٰ حضرتؒ کے ہاں شدت کی حکمت	18
8	ہم مناظرے کیوں نہیں کرتے؟	21
9	عقیدۂ اہلِ سنت والجماعت اور محبتِ اہلِ بیتِ اَطہارؓ	22
10	اِیمانِ ابوطالبؓ	24
11	علماء کرام کا مقام اور کردار	25
12	نئی نسل کی دین سے دُوری کا سبب	27
13	دُنیا چھوڑ کر تبلیغ دین کے کام کرنا	30
14	زندگی کا مقصد	30
15	تصوّف	32
16	رہبانیت	34
17	تصوف میں اِصلاحات	35

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
18	اِحتراماً بزرگوں کو پشت نہ کرنا، اُن کے ہاتھ یا پاؤں چومنا	37
19	ملت کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے عشق رسول ﷺ کی اہمیت	38
20	تحریکِ منہاج القرآن کے اَغراض و مقاصد	41
21	تحریکِ منہاج القرآن موجودہ صدی کی تجدیدی تحریک	42
22	دہشت گردی	46
23	دہشت گردی کے اَسباب	48
24	دہشت گرد کون ہیں؟	50
25	تہذیبی تصادُم	51
26	جشن میلاد ُالنبی ﷺ منانا	55
27	جشن میلاد ُالنبی ﷺ پر جلوس نکالنا	59
28	جشن میلاد ُالنبی ﷺ پر توپوں کی سلامی	60
29	یوم آزادی منانا	61
30	سالگرہ منانا	62
31	موسیقی کی شرعی حیثیت	63
32	معاشرتی برائیوں سے کیسے بچیں؟	73
33	رشوت خوری	75
34	داڑھی کی شرعی حیثیت	76
35	آزادیٔ اِظہارِ رائے	79
36	اِسلام اور جمہوریت	80

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
37	اِسلام اور سیاست	81
38	ماڈل اِسلامی ملک	88
39	اِسلام اور غلامی کا خاتمہ	89
40	اِسلام میں حقوقِ نسواں	93
41	مغربی دُنیا میں حقوقِ نسواں	96
42	خواتین کا حقِ وراثت	97
43	کیا عورت آدھی ہے؟ (وراثت، شہادت اور دِیت کے تناظر میں)	98
44	بچوں کے حقوق	100
45	تیموں کے حقوق	103
46	بزرگوں کے حقوق	105
47	اَقلیتوں کے حقوق	107
48	کرسمس کی تقاریب کا اِہتمام اور اُن میں شرکت	111
49	مُرتد کی سزا اور اِنسانی حقوق	114
50	مادہ پرستی اور اِنکارِ آخرت	115
51	قیامت کب آئے گی؟ (کیا چودہ صدیوں بعد قیامت ہوگی؟)	116
52	آمد اِمام مہدیؑ	117
	مآخذ و مراجع	123

تعارف: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

دورِ حاضر کے عظیم اِسلامی مفکر، محدّث، مفسر اور نابغۂ عصر شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری 19 فروری 1951ء کو پاکستان کے شہر جھنگ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جدید علوم کے ساتھ ساتھ قدیم اِسلامی علوم بھی حاصل کئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے اور قانون کے اِمتحانات اَعلیٰ ترین اِعزازات کے ساتھ پاس کئے اور Punishments in Islam, their Classification and Philosophy کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے عالمِ اِسلام کی عظیم المرتبت روحانی شخصیت قدوۃُ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی البغدادیؒ سے طریقت وتصوف اور سلوک ومعرفت کی تعلیم وتربیت حاصل کی اور اَخذِ فیض کیا۔ آپ نے علم الحدیث، علم التفسیر، علم الفقه، علم التصوف والمعرفة، علم اللغة والأدب، علم النحو والبلاغة اور دیگر کئی اِسلامی علوم وفنون اور منقولات ومعقولات کا درس اور اَسانید و اِجازات اپنے والد گرامی سمیت ایسے جید شیوخ اور کبار علماء سے حاصل کی ہیں، جنہیں گزشتہ صدی میں اِسلامی علوم کی نہ صرف حجت تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ تک مستند ومعتبر اَسانید کے ذریعے منسلک ہیں۔ آپ نے اپنے سلسلۂ سند کی دو کتبِ اَسانید (الأثبات) ''اَلْجَوَاهِرُ الْبَاهِرَةُ فِي الْأَسَانِيْدِ الطَّاهِرَةِ'' اور ''اَلسُّبُلُ الْوَهَبِيَّةُ فِي الْأَسَانِيْدِ الذَّهَبِيَّةِ'' میں اپنے تین سو سے زائد طُرقِ علمی کا ذکر کیا ہے۔

آپ کے اساتذہ میں عرب وعجم کی معروف شخصیات شامل ہیں، جن میں الشیخ المعمّر حضرت ضیاء الدین احمد القادری المدنی، محدّث الحرم الامام علوی بن عباس المالکی المکی، الشیخ السید محمد الفاتح بن محمد المکی الکتانی، محدثِ اعظم علامہ سردار احمد قادری، علامہ سید ابو البرکات احمد محدث الوری، علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہی، علامہ عبد الرشید الرضوی اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی جیسے عظیم المرتبت علماء شامل ہیں۔ آپ کو اِمام یوسف بن اسماعیل النبہانیؒ سے الشیخ حسین بن احمد عسیران اللبنانی کے صرف ایک واسطے سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ اِسی طرح آپ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے اُن کے خلیفہ الشیخ السید عبد المعبود الجیلانی المدنی کے صرف ایک واسطے سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ امام الہند حضرت الشاہ احمد رضا خان کے ساتھ صرف ایک واسطہ سے تین الگ طُرق کے ذریعے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے بے شمار شیوخِ حرمین، بغداد، شام، لبنان، طرابلس، مغرب، شنقیط (موریطانیہ)، یمن (حضرموت) اور پاک و ہند سے اِجازات حاصل کی ہیں۔ اِس طرح شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ذاتِ گرامی میں دُنیا بھر کے

شہرہ آفاق مراکزِ علمی کے لامحدود فیوضات ہیں۔

آپ پنجاب یونیورسٹی لاء کالج میں قانون کے اُستاد رہے ہیں۔ آپ نے پاکستان میں اور بیرونِ ملک خصوصاً امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، سکینڈی نیویا، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا اور ایشیا خصوصاً مشرقِ وُسطیٰ اور مشرقِ بعید میں اِسلام کے مذہبی و سیاسی، رُوحانی و اَخلاقی، قانونی و تاریخی، معاشی و اِقتصادی، معاشرتی و سماجی اور تقابلی پہلوؤں پر مشتمل مختلف النوع موضوعات پر ہزاروں لیکچرز دیئے۔ سال 2010ء میں آپ نے 'جارج ٹاؤن یونیورسٹی' اور 'یونائیٹڈ اسٹیٹس اِنسٹیٹیوٹ آف پیس' (امریکہ) میں اِسلام کے تصورِ جہاد کے حوالے سے خصوصی لیکچرز دیئے اور عالمِ مغرب کے ذہنوں پر چھائی ہوئی گرد دُور کی۔ علاوہ ازیں برطانیہ میں ہونے والی 'گلوبل پیس اینڈ یونٹی کانفرنس' میں بھی آپ نے خصوصی شرکت کی اور لیکچر دیا۔ جنوری 2011ء میں آپ نے عالم اِسلام کی واحد نمائندہ مذہبی شخصیت کے طور پر 'ورلڈ اکنامک فورم' کے سالانہ اِجلاس برائے سال 2011ء میں شرکت کی اور اپریل 2011ء میں آپ نے 'یو-این اسلامک ورلڈ فورم' کے اِجلاس میں بطور نمائندہ اُمتِ مسلمہ شرکت کی۔

آپ کے سیکڑوں موضوعات پر پانچ ہزار سے زائد ریکارڈڈ لیکچرز آڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs کی صورت میں دستیاب ہیں، جن میں بعض موضوعات ایک ایک سو سے زائد خطابات کی سیریز کی شکل میں ہیں۔

آپ کی تصانیف کی تعداد کم و بیش ایک ہزار (1,000) ہے، جن میں سے 400 سے زائد کتب اُردو، انگریزی، عربی و دیگر زبانوں میں طبع ہوچکی ہیں، جب کہ مختلف موضوعات پر آپ کی بقیہ چھ سو کتب کے مسوّدات طباعت کے مختلف مراحل میں ہیں۔ آپ نے دورِ جدید کے چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے علمی و تجدیدی کام کی بنیاد عصری ضروریات کے گہرے اور حقیقت پسندانہ تجزیاتی مطالعے پر رکھی، جس نے کئی قابلِ تقلید نظائر قائم کیں۔ فروغِ دین میں آپ کی دعوتی و تجدیدی اور اجتہادی کاوِشیں منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔ جدید عصری علوم میں وقیع خدمات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ آپ نے ''عرفان القرآن'' کے نام سے اُردو و انگریزی زبان میں جامع اور عام فہم ترجمہ کیا ہے، جو قرآن حکیم کے اُلوہی بیان کا لغوی و نحوی، اَدبی، علمی، اِعتقادی، فکری اور سائنسی خصوصیات کا آئینہ دار ہے۔ یہ ترجمہ کئی جہات سے عصرِ حاضر کے دیگر تراجم کے مقابلے میں زیادہ جامع اور منفرد ہے۔ علم الحدیث میں آپ کی تالیفات ایک گراں قدر علمی سرمایہ ہیں۔ آپ کی ضخیم ترین تصنیف پچیس ہزار اَحادیث کا مجموعہ **جَامِعُ السُّنَّة فِيمَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ آخِرُ الأُمَّة** ہے، جو مختلف النوع موضوعات پر بیس جلدوں کا مجموعہ ہے، جس کی مثال پچھلی کئی صدیوں کے علمی سرمائے میں ناپید ہے۔ امام نوویؒ کی **رِيَاضُ الصَّالِحِين** اور خطیب تبریزیؒ کی **الْمِشْكَاةُ الْمَصَابِيح** کے اُسلوب پر دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق **مُخْتَصَرُ الْمِنْهَاجِ السَّوِيّ مِنَ الْحَدِيثِ النَّبَوِيّ** پوری دُنیا میں ہر

خاص و عام سے دادِ تحسین وصول کرچکی ہے، جب کہ پانچ ہزار احادیث پر مشتمل مفصل نسخہ بعنوان **اَلْمِنْهَاجُ السَّوِيّ مِنَ الْحَدِيْثِ النَّبَوِيّ** کی چار جلدیں زیرِ تکمیل ہیں۔ اِسی طرح **هِدَايَةُ الْأُمَّة عَلٰى مِنْهَاجِ الْقُرآن وَالسُّنَّة** اڑھائی ہزار اَحادیث کا دو جلدوں پر مشتمل اِیمان اَفروز تربیتی نوعیت کا عظیم مجموعہ ہے، جو آیاتِ قرآنی اور اَحادیثِ نبوی کے ساتھ ساتھ آثارِ صحابہ و تابعین اور اَقوالِ اَئمہ و سلف صالحین کا بھی نادِر ذخیرہ ہے۔ اِسی طرح **اَلْعَطَاءِ فِي مَعْرِفَةِ الْمُصْطَفٰى** ﷺ کے عنوان سے حضور نبی اکرم ﷺ کے فضائل، شمائل، خصائص اور معجزات کے حوالے سے کئی جلدوں میں پانچ ہزار احادیث پر مشتمل مجموعہ بھی زیرِ ترتیب ہے۔ مزید برآں قاضی عیاض کی **اَلشِّفَا** کی طرز پر **مَكَانَةُ الرِّسَالَة وَالسُّنَّة** کے موضوع پر ایک عظیم علمی شاہکار عربی زبان میں دو ضخیم جلدوں پر قریبِ تکمیل ہے۔ اُردو زبان میں سیرۃ الرسول ﷺ کے موضوع پر بارہ (12) جلدوں پر مشتمل سب سے بڑی تصنیف بھی آپ ہی کی ہے۔ علاوہ ازیں اِیمانیات، اِعتقادیات، تصوف و روحانیت، معاشیات و سیاسیات، سائنس اور جدید عصری موضوعات پر بھی آپ کی متعدد تصانیف دُنیا کی بڑی زبانوں میں منتقل ہو رہی ہیں۔

سال 2010ء میں آپ نے ''دہشت گردی اور فتنہ خوارِج'' کے عنوان سے ایک مبسوط تاریخی فتویٰ جاری کیا، جس میں آپ نے دہشت گردی اور خود کُش حملوں کی موجودہ لہر اور اُس کے پس منظر کا تاریخی و تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ اِس فتویٰ نے پوری دُنیا میں قبولِ عام حاصل کیا ہے اور انگریزی و عربی میں ترجمہ مکمل ہونے کے علاوہ دُنیا کی دیگر زبانوں میں بھی اُس کے تراجم کا کام جاری ہے۔

آپ کی قائم کردہ تحریکِ منہاجُ القرآن دنیا کے 90 سے زائد ممالک میں اِسلام کا آفاقی پیغامِ اَمن و سلامتی عام کرنے میں مصروفِ عمل ہے۔ آپ کو عالمی سطح پر اَمن کے سفیر کے طور پر پہچانا جاتا ہے؛ جب کہ بہبودِ اِنسانی کے لیے آپ کی علمی و فکری اور سماجی و فلاحی خدمات کا بین الاقوامی سطح پر اِعتراف بھی کیا گیا ہے۔ آپ نے پاکستان میں 'عوامی تعلیمی منصوبہ' کی بنیاد رکھی جو غیر سرکاری سطح پر دُنیا بھر کا سب سے بڑا تعلیمی منصوبہ ہے۔ اِس منصوبے کے تحت اب تک ایک چارٹرڈ یونیورسٹی (منہاج یونیورسٹی لاہور) اور پاکستان بھر میں 572 اسکولز و کالجز کا قیام عمل میں لایا جا چکا ہے۔ ماضی قریب میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ فردِ واحد نے اپنی دانش و فکر اور عملی جدّ و جہد سے فکری و عملی، تعلیمی و تحقیقی اور فلاحی و بہبودی سطح پر ملّتِ اِسلامیہ کے لیے اِتنے مختصر وقت میں اِتنی بے مثال خدمات اَنجام دی ہوں۔ بلا شبہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایک فرد نہیں بلکہ عہدِ نو میں ملّتِ اِسلامیہ کے تابندہ و روشن مستقبل کی نوید ہیں۔

www.DrTahirulQadri.com

www.facebook.com/TahirulQadri

1- اِجتہاد کی ضرورت و ناگزیریت

ہر دین کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک اُس کا بنیادی ڈھانچہ ہوتا ہے، اس کے بنیادی اُصول ہوتے ہیں۔ اِسلام کے بنیادی اُصول قرآن وسنت ہیں، جو نہ کبھی بدلے ہیں نہ بدلیں گے۔ جو قرآن وحدیث میں آ گیا وہ قیامت تک کے لئے ابدی ہدایت ہے۔ آسمانی ہدایت چونکہ اِنسان کا بنایا ہوا قانون نہیں ہوتا اِس لئے وہ کبھی پرانا نہیں ہوتا۔ جب کہ اِنسان کے بنائے گئے قوانین وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پرانے ہو جاتے ہیں۔ اِنسان کی بصیرت اِس بات سے آگاہ نہیں ہوتی کہ ایک سو سال بعد اِنسانی معاشرے کی ضروریات اور مؤثراتِ حیات کیا ہوں گی۔ وہ اُنہیں جاننے سے قاصر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں معاشرے میں تبدیلیاں آتی ہیں، اِنسان کے بنائے ہوئے قوانین میں تبدیلیاں آتی چلی جاتی ہیں، تاکہ اُسے بقاء مل سکے اور وہ زمانے کے تبدیل شدہ تقاضوں پر پورا اُتر سکے۔ خدا کا بنایا ہوا قانون اگر اپنی اصل حالت میں محفوظ ہو اور اُس میں تحریف نہ کر دی جائے...... جیسے قرآن مجید اور حدیث نبوی کا ٹیکسٹ آج تک محفوظ ہے...... تو چونکہ وہ خالقِ کائنات کی وحی پر مبنی ہوتا ہے اِس لئے وہ جب ہدایت دیتا ہے تو قیامت تک کی ضروریاتِ اِنسانی کو پہلے ہی جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے بنیادی اُصول کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔

دین کا دُوسرا پہلو اُس کا اِنتظامی، تعبیری وتشریحی اور معروضی پہلو ہوتا ہے۔ یعنی خدا کے قانون کی شرح کرنا، تشریح وتفسیر کرنا اور اُسے بحیثیتِ نظامِ زندگی میں لاگو کرنا۔ دُنیا کے مختلف ممالک، مختلف معاشروں اور مختلف زمانوں میں چونکہ زمان و مکان کے تبدیل ہونے سے حالات بدلتے رہتے ہیں اِس لئے اِنسانی زندگی مسلسل اِرتقاء میں ہے۔ معاشی، سیاسی، معاشرتی، سماجی، نفسیاتی اور ثقافتی مؤثراتِ حیات میں مسلسل تبدیلی آتی رہتی ہے۔ جو دین بدلتے ہوئے حالات کا مقابلہ نہ کر سکے وہ آؤٹ ڈیٹ ہو جاتا ہے، اور اِسلام آؤٹ ڈیٹ ہونے والا دین نہیں۔ اِسلام جہاں قدیم ہے وہیں جدید سے جدید تر بھی ہے۔ اِسلام کی تمام تر تعلیمات اُن جدید سے جدید ضرورتوں کو بھی کفالت کرتی ہیں، جہاں آج اِنسانیت ترقی کرتے کرتے پہنچی ہے۔

اِسلام کے بنیادی اُصولِ فقہ و قانون میں قرآن وسنت کے بعد دو ایسے اُصول رکھے گئے ہیں، جو اُسے آؤٹ ڈیٹ نہیں ہونے دیتے۔ قرآن وحدیث کے بعد تیسرا مآخذ اِجتہاد کا ہے۔ پھر اُس اِجتہاد کی ایک اِجتماعی صورت ہے اور ایک اِنفرادی۔ اگر کسی دور کے باصلاحیت اُصولیین اور مجتہدین کا کسی اِجتہادی مسئلہ پر اِجتماعی طور پر اِتفاق ہو جائے تو وہ اِجماع کہلاتا ہے۔ اور اگر وہ کسی اکیلے مجتہد کی اِنفرادی رائے ہو تو وہ قیاس کہلاتا ہے۔ پھر اُس اِجتہاد کی آگے

بہت سی اَقسام ہوتی ہیں، جو اِستصلاح، مصالحِ مرسلہ، اِستحسان، اِستصواب، عرف و عادہ وغیرہ کہلاتی ہیں۔ قرآن و حدیث کے بعد یہ دس ایسے گوشے شریعت نے رکھے ہیں جو تبدیل ہونے والے حالات میں تعبیر وتشریح کو بدلتے چلے جاتے ہیں۔ اِس میں اِرتقاء کی گنجائش ہے، یہی وجہ ہے کہ اِسلام ایک جامد دین نہیں ہے، بلکہ ایک متحرک زندہ حقیقت ہے۔ بدلتے ہوئے حالات میں نئی تعبیر وتشریح کی گنجائش باقی ہے، مگر ہر تبدیلی، تعبیر اور ہر شرح اور ہر نفاذ کا جو نیا ضابطہ بنے گا، اُس کے پیچھے بنیادی ہدایت قرآن و حدیث کی نص ہوگی۔ اُسے قرآن و حدیث سپورٹ کریں گے۔

یہی وجہ ہے کہ شروع سے ہی اِسلامی شریعت کی چار پانچ بڑی تعبیرات کو وُجود ملا۔ فقہ، اِسلامک لاء اور اِسلامی اُصول فقہ، جسے اہل السنہ میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کہتے ہیں اور اہل تشیع میں جعفری کہتے ہیں، ان سب فقہی مذاہب کی شریعت ایک ہے، ایک ہی قرآن ہے، ایک ہی حدیث ہے، سب کا مآخذ ایک ہے۔ مگر یہ چار مذاہب اس لئے وُجود میں آئے تاکہ اُمت کے ہر آنے والے دَور کی کفالت کی جا سکے۔ ان کی مثال ایسے ہو جاتی ہے جیسے پاکستان کا آئین ہے۔ یہ فیڈرل قانون ہے، جس سے پورا ملک چلایا جاتا ہے۔ اُس فیڈریشن کے نیچے چار پانچ صوبے ہیں، اور تمام صوبوں کی اپنی قانون ساز اسمبلیاں ہیں اور اُن صوبوں کی اپنی علاقائی صوابدید کے تحت بھی قانون سازی ہوتی ہے۔ مگر آئین اور دستور ہمیشہ سب کے اُوپر ایک ہی رہتا ہے۔ تعبیر وتشریح میں ہر صوبہ اپنے معروضی حالات اور ضروریات کے مطابق قانون سازی کا اِختیار رکھتا ہے، اور کسی صوبے کا قانون آئین سے متضاد بھی نہیں ہوتا۔ تمام صوبے آئین کی مطابقت میں چلتے ہیں۔ تعبیر وتشریح اور نفاذ کی گنجائش ہر صوبے کے لئے الگ ہے۔ اِس لئے اِجتہاد شریعتِ اِسلامیہ میں ایک ایسی ڈِیوائس ہے، جس کی وجہ سے تعمیرِ نو کی روح برقرار رہتی ہے اور کوئی اِسلامی معاشرہ کیسا ہی زوال میں کیوں نہ جا پہنچے اُس کے پھر سے زندہ ہو جانے کا اِمکان باقی رہتا ہے۔ یہی وہ مرکزی نکتہ ہے جو اِسلام کو کسی دَور میں بھی پرانا دین نہیں بننے دیتا اور اِسلام ہمیشہ جدید سے جدید دَور سے آگے کھڑا نظر آتا ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: انٹرویو شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1002)

2- مسالک کی شرعی حیثیت / فقہ کیوں ضروری ہے؟

عموماً سادہ لوح مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ مختلف مسالک کی موجودگی سے فرقہ واریت کو ہوا ملتی ہے، لہٰذا ہمیں تمام مسالک کی نفی کر کے صرف اِسلام کے لئے کام کرنا چاہیئے۔ ایسا تصور اِسلام کے بنیادی تصورات کے منافی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسالک کا وُجود اِسلام کی بنیادی تعلیمات کے منافی نہیں ہے۔ اِسلام میں نہ صرف مسالک کی گنجائش موجود ہے، بلکہ اُن کے وُجود کی اصل بھی قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ میں ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَO صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ، ۱: ۵،۶)

''ہمیں سیدھا راستہ دکھاO اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اِنعام فرمایا۔''

یہاں اللہ ربّ العزت بندے کو سیدھی راہ مانگنے کی تلقین کرتے ہوئے اِنعام یافتہ بندوں کا راستہ اِختیار کرنے کا حکم فرما رہا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب بلاشک و شبہ اصل سیدھی راہ قرآن و حدیث کی راہ ہے تو سیدھی راہ طلب کرنے کے جواب میں اللہ اور اُس کے رسول کی راہ پر چلنے کی ہدایت کی جانی چاہیئے تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں سیدھی راہ کی وضاحت اِنعام یافتہ بندوں کی راہ کے طور پر کی۔ فرمایا:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَO (الفاتحہ، ۱: ۷)

''اُن لوگوں کا نہیں جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ (ہی) گمراہوں کاO''

سورۂ فاتحہ کی ان آیات کی روشنی میں ایک اُصول واضح ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کو اُس سیدھی راہ کا طالب ہونا چاہئے، جو اللہ ربّ العزت نے اُمت کے بعض اَفراد کے حوالے سے مقرر فرمائی۔ چنانچہ تلاشِ حق کے لئے ایسے برگزیدہ بندوں کو تلاش کرنا اور اُن کی راہ پر چلنا اَمرِ الٰہی سے ثابت ہوا اور اِسی طرح یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ایسے لوگوں کو بھی پہچانا جائے، جن پر اللہ کا غیض وغضب نازِل ہوا تاکہ کہیں غلطی سے آدمی اُن کے پیچھے نہ چل پڑے۔

ہدایت یافتگان کی تلاش اور گمراہ لوگوں کی پہچان نے ہمیں مسلک تک پہنچا دیا۔ مختلف مسالک کے بانیان ہی دراصل اِنعام یافتہ بندے ہیں۔ اِمام اعظم ابو حنیفہؒ، اِمام احمد بن حنبلؒ، اِمام شافعیؒ، اِمام مالکؒ، یہ سب اِنعام یافتہ لوگوں میں سے ہیں، اِسی طرح سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ وغیرہ نے رُوحانی مسالک کی بنیاد رکھی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی فیلڈ میں قرآن وسنت کے پیغام کو جمع کیا، عام مسلمان کو حکم ہوا کہ تم اِن اِنعام یافتہ بندوں کی راہ پر چلو۔ یہی مسلک کے جواز کی بنیاد ہوگئی۔

اِسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

عَلَيْكُم بِسُنَّتِي و سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْن. (مستدرک حاکم، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹)

''تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔''

اُن خلفاء راشدین اور ائمہ اَربعہ نے سنتوں کو جمع کیا، ترتیب و تدوین کی، عام لوگوں نے اُس سے اِکتساب فیض کیا، اُسی کا ٹیکنیکل نام مسلک پڑ گیا، مسلک اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاسْأَلُوا أَهلَ الذِّكرِ إِن كُنتُم لَا تَعلَمُونَ (النحل، ۱۶: ۴۳)

''سوتم اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں خود (کچھ) معلوم نہ ہو۔''

اِسی طرح اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَ إِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنهُم لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنهُم. (النساء، ۴: ۸۳)

''اور اگر وہ (بجائے شہرت دینے کے) اُسے رسول (ﷺ) اور اپنے میں سے صاحبانِ اَمر کی طرف لوٹا دیتے تو ضرور اُن میں سے وہ لوگ جو (کسی) بات کا نتیجہ اَخذ کر سکتے ہیں اُس (خبر کی حقیقت) کو جان لیتے''۔

قرآنِ مجید میں جا بجا ایسے لوگوں کی طرف رُجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تاریخِ اِسلام میں ایسی کئی بڑی بڑی ہستیاں گزری ہیں، جنہوں نے دین اور شریعت کے اُصول و فروع کو جمع کیا اور یوں اُس کی مرتب شدہ صورت کو مسلک کا نام دیا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مختلف مسالک کیوں وُجود میں آئے؟ ایک سادہ سی قابلِ فہم بات یہ ہے کہ یہ کوئی لازمی امر تو نہیں کہ ساری اُمت کسی ایک اِمام یا دو اِماموں سے اِتفاق کر لے۔ یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ ایک بات کسی ایک اِمام سے پوچھ لی جائے اور دُوسری کسی اور سے، یوں تو زندگی میں تضاد آ جاتا اور زندگی میں نظم پیدا نہ ہوتا۔ اس لئے علماء نے ایک نظام وضع کر دیا کہ جس کو جہاں سے زیادہ اِطمینان نصیب ہو وہ اُسی اِمام سے جملہ اُمور میں رہنمائی حاصل کرے تاکہ زندگی اِنتشار و اِفتراق سے بچ جائے۔ یہ تمام مسالک دراصل ایک ہی دریا سے نکلنے والی مختلف نہریں ہیں اور جو اُن مسالک کے پیروکار تھے وہ دراصل ان نہروں سے سیراب ہونے والے لوگ تھے۔

بعض مسلمانوں کا مختلف مسالک کی موجودگی کو فرقہ واریت کا سبب سمجھنا قرینِ اِنصاف نہیں۔ مسلک کے نام

پر آج کل جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں مگر مسلک نفرتوں اور کدورتوں کو بڑھانے کے لئے وجود میں نہیں آئے تھے۔ ایک سادہ مثال ملاحظہ ہو کہ اِمام شافعیؒ جب اِمام ابوحنیفہؒ کے مزار پر حاضری دیتے اور اُن کی مسجد میں نماز ادا کرتے تو رفعِ یدین نہ کرتے۔ شاگردوں میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے اپنی تحقیق کے خلاف عمل کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: درست ہے، مجھے اپنی فقہی تحقیق پر اِعتماد اور اِطمینان ہے، مگر اِتنے بڑے اِمام کی بارگاہ میں آ کر اپنی تحقیق پر عمل کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ مسالک کے بانیان کے ہاں تو اِس قدر رواداری پائی جاتی ہے جب کہ اُن کے نام لیوا آپس میں مناظروں سے کم بات نہیں کرتے۔ اگر تحمل اور برداشت کا یہ عمل اُمتِ مسلمہ میں جاری رہتا تو آج حالات اِتنے دِگرگوں نہ ہوتے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 894)

3- کفر کے فتوے ...... نازیبا طرزِ عمل

بعض اوقات علمی تحقیق اور دلائل کی بناء پر اُستاد اور شاگرد کے فتویٰ اور رائے میں اِختلاف ہوتا ہے۔ علماء کا حق ہے کہ وہ جو بھی فتویٰ دیتے ہیں اپنی تحقیق اور اپنے دلائل کی بناء پر دیتے ہیں اور دُوسرے علماء کو یہ حق تو پہنچتا ہے کہ وہ بھی دلائل اور تحقیق کی بناء پر اُن سے علمی اِختلاف کریں۔ مگر چھوٹوں میں سے یہ حق کسی کو نہیں پہنچتا کہ وہ اُن کے فتویٰ کو معاذ اللہ غلط یا ناجائز قرار دیں۔ اِس سے بے ادبی کے راستے کھلتے ہیں اور علم کی ترقی رک جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلویؒ کی تحقیقات اور فتاویٰ بلاشبہ مبنی بر حق اور مبنی بر دیانت تھے۔

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم اور اُمت کے اَکابر و اَصاغر علماء، ائمہ و مجتہدین کی تحقیقات میں فرق ہوتا ہے۔ یہ شان اللہ اور اُس کے رسول کی ہے کہ جو اُن سے اِختلاف کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ مگر حضور ﷺ کی اُمت میں سیدنا اِمام اَعظم اِمام ابوحنیفہؒ سے لے کر آج تک کے اَکابر ائمہ و مجتہدین نے اِسلام کے ہر ہر گوشے میں اپنی تحقیقات پیش کیں، اُصولی بھی فروعی بھی، ہر دو قسم کے مسائل پر فتوے دیئے اور بعض شخصیات پر بھی فتوے دیئے، مگر اُن میں سے کسی ایک نے بھی کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ کسی مسئلہ پر اُن کی تحقیق اور فتویٰ سے علمی دلائل کی بناء پر اِختلاف کرنے کا حق کسی کو نہیں۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ جو میرے فتوے سے اِختلاف کرے وہ کافر ہے یا سنی نہیں، یہ علم کا شیوہ ہی نہیں ہے۔ ایسا حکم حضور ﷺ کی اُمت میں اِمام اَعظمؒ سے لے کر آج کے دن تک کسی نے نہیں دیا۔

سب نے اپنی تحقیقات کی روشنی میں فتاویٰ دیئے اور اُن سے اِختلاف کرنے والوں نے بھی حق پر مبنی دلائل کی بناء پر اِختلاف کیا، مگر کسی نے کسی کو باطل نہیں کہا۔ سب نے دلائل کی بناء پر اِختلاف کا راستہ کھلا رکھا۔

اگر اَکابر اہلِ سنت میں سے کسی نے شیعہ، اہل حدیث یا دیوبندیوں کو کافر قرار دیا تو اُن کی اپنی تحقیق تھی اور اُنہوں نے میسر معلومات پر اِتمامِ حجت کرنے کے بعد فتویٰ دیا۔

ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم پورے طبقے کو نہیں پکڑتے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ کی ساری اُنگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ بجائے اِس کے کہ سارے کے سارے طبقے کو جس میں گیلا سوکھا ہر کوئی رگڑا جائے، چھوٹے بڑے سبھی رگڑے جائیں، بجائے طبقے کے ہم کیس ٹو کیس لیتے ہیں، فرد بہ فرد لیتے ہیں، پورے مسلک کو کافر نہیں کہتے۔ ہر شخص کے اِیمان کا معاملہ جدا جدا ہے اور کسی کا اِیمان کسی دُوسرے کے اِیمان پر منحصر نہیں قرار دیا جا سکتا۔

حضور ﷺ کی شان میں تحریراً، تقریراً یا عملاً کسی بھی طرح ذرا سی گستاخی کرنے والا، حتیٰ کہ حضور ﷺ کے گلے کوچوں کی نسبت کو ذہن میں رکھ کر وہاں کے کتوں کی گستاخی کرنے والا شخص (خواہ وہ کسی بھی مسلک سے ہو) کافر، بے اِیمان اور مُرتد ہے۔ ہم اِس طرح لیتے ہیں۔ جو گستاخ ہے اُسے مرتد کہتے ہیں اور جو گستاخی نہ کرے اُس پر کیوں دھریں!!

حضور ﷺ کی اَزواجِ مطہراتؓ، خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ پر سب وشتم بکنے والا، اُنہیں کافر و منافق کہنے والا اور اُن پر بہتان طرازی کرنے والا شخص (خواہ وہ کسی بھی مسلک سے ہو) کافر و بے اِیمان ہے۔ اور اگر کوئی زبان سے ایسا نہیں کہتا تو بلاوجہ کیوں دھریں کسی پہ!!

حضور ﷺ کے اہل بیتِ اطہارؓ کا گستاخ اور اُن کی شان میں زبان درازی کرنے والا شخص (خواہ وہ کسی بھی مسلک سے ہو) کافر اور بے اِیمان ہے، یزید اہلِ بیت کی اِہانت ہی کی وجہ سے کافر ہوا۔ مگر اگر کوئی ایسا نہ کہے تو ہم اُس پر کفر مسلط کیوں کریں!!

ہر ایک کا اپنا عمل اور اپنا عقیدہ ہے جو اُسے مؤمن یا کافر بناتا ہے، دُوسروں کا عقیدہ اُس کے سر پر نہیں تھوپتے۔ اِس لئے دیوبندی، اہل حدیث، شیعہ من حیث الکل کسی بھی گروہ اور مسلک کو کافر و مرتد قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 445)

4- فرقہ واریت کا علاج

مسالک کی موجودگی اُمت کے لئے خیر کا باعث تھی، مگر شومئی قسمت کہ اِس پُرفتن دَور میں اُسی کو تفرقہ و اِنتشار کے لئے اِستعمال کرنا شروع کر دیا گیا۔ بنیادی طور پر مسلک دین اور ایمان کو اِنتشار و اِفتراق سے بچانے کی ایک راہ ہے۔ مثلاً اگر ایک غیرمسلم مختلف مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھے کہ وہ سب ایک ہی طرح رکوع و سجود کر رہے ہوں دُوسری جگہ وہی آدمی کچھ لوگوں کو مختلف طریقوں سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھے تو پہلی جماعت کو وہ disciplined اور دوسری کو indisciplined قرار دے گا۔

مسلک کا بنیادی مقصد اُمت کے اندر اسی حسن کو پیدا کرنا تھا۔ اِس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس کو وجہ نزاع بنایا جائے اور اُس کی بنیاد پر جھگڑے فساد کرکے ایک دُوسرے کو کافر و مشرک اور خارج از اِسلام کہہ کے اُمت کی وحدت کو پارہ پارہ کیا جائے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے میرے نزدیک یہ دین اِسلام کی خدمت ہے اور نہ کسی فقہ و مسلک کی، یہ دراصل فساد فی الارض ہے۔ اِس فتنہ اور سازش کو دُور کرنا اور یکجہتی کی کوشش کرنا امرِ خیر ہے۔ اِس سلسلے میں ہماری ایک کتاب ہے ''فرقہ پرستی کا خاتمہ کیوں کر ممکن ہے'' آپ ضرور اُس کا مطالعہ کیجئے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی وجہ سے ہم پر سب سے زیادہ فتوے لگائے گئے۔ بس یہی وجہ ہے کہ اُمت کا درد رکھنے والے بیشتر علماء فتووں کے خوف سے فرقہ پروری کی روِش کے خلاف بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

دُوسری طرف آج کا عام پڑھا لکھا مسلمان بھی اِس بات کو محسوس کرنے لگا ہے کہ اُمت کی وحدت کی بات ہونی چاہیئے تاکہ اِختلاف کم سے کم ہوتے چلے جائیں۔ میری دانست میں فرقہ پرستی کسی مسلک کا نام نہیں ہے۔ یاد رکھیں! مسلک اور مسلک پرستی دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ مسلک کا ہونا باعثِ خیر اور ضروری ہے لیکن مسلک پرستی بصورتِ فرقہ پرستی، جو فتنہ و اِنتشار کا باعث ہو، وہ لائقِ مذمت ہے۔ یہ دراصل ایک ذہنیت ہے، جس کے حاملین صرف خود کو مبنی بر ہدایت مسلمان سمجھتے ہیں اور جو کوئی اُن کی رائے سے اِختلاف رکھے اُسے کافر و مشرک اور خارج از اِسلام جہنمی سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح یہ تکفیری طرزِ عمل اُمت کے حق میں خطرناک ہے، اِسی طرح بعض لوگ اِن حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسالک کے وُجود کی کلیتاً نفی کرتے ہوئے براہِ راست قرآن یا حدیث سے تعلق اُستوار کرنے کی بات کرتے ہیں اور اَسلاف کی تحقیق کو کلیتاً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ عمل بھی کھلی گمراہی کے مترادف ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ، ۵:۳)

’’آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔‘‘

اِس آیت سے یہ مراد لینا کہ اب دین مکمل ہو چکا ہے لہٰذا ہمیں کسی اور سے رہنمائی کی ضرورت نہیں، ایسا گمان کرنا درست نہیں۔ درحقیقت ائمہ کی ساری تحقیق قرآن و سنت ہی کی تعلیمات پر مبنی ہے، ایک عام آدمی جو عربی سے واقف نہیں، وہ قرآن و حدیث سے براہِ راست کیوں کر صحیح مطالب و مفاہیم اَخذ کر سکتا ہے۔ البتہ مسلک کو دین پر ترجیح دینا ظلم ہے۔ مسلک دین کی خدمت کے لئے ہے، دین مسلک کی خدمت کے لئے نہیں۔ اگر ہم صرف اِس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تو اکثر اِختلافات ختم ہو سکتے ہیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 894)

5- اِتحادِ اُمت کا قرآنی فارمولا

اِتحادِ اُمت کا ایک سادہ فارمولا قرآنِ مجید کی آیت کی روشنی میں پیش خدمت ہے۔ اِس آیت سے ایک قرآنی اُصول مستنبط ہوتا ہے، جس سے ہمیں بنیاد ملتی ہے کہ ہم نے کس طرح اُمت کو یکجا کرنا ہے۔ اُصولِ حدیث میں ہماری ایک عربی کتاب ہے: ’’الخطبةُ السدیدة فی اُصولِ الحدیث و فُروعِ العقیدة‘‘، اِس کتاب کی یہ خوبی ہے کہ اس میں قرآنِ مجید کی آیات سے اُصولِ حدیث ثابت کئے گئے ہیں اور ہر اُصولِ حدیث سے ایک فرعِ عقیدہ ثابت کیا گیا ہے۔ اللہ ربّ العزت نے قرآنِ مجید میں تین طبقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ثُمَّ أَورَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللهِ ذَالِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ○ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا۔ (فاطر، 35 : 32،33)

’’پھر ہم نے اِس کتاب (قرآن) کا وارث ایسے لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا (یعنی اُمتِ محمدیہ ﷺ کو)، سو اُن میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بھی ہیں، اور اُن میں سے درمیان میں رہنے والے بھی ہیں، اور اُن میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھ جانے والے بھی ہیں، یہی (آگے نکل کر کامل ہو جانا ہی) بڑا فضل ہے○ (دائمی اِقامت کے لئے) عدن کی جنتیں ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے۔‘‘

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ ربّ العزت نے تین طبقات کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلا وہ طبقہ جو ''**ظالم**'' یعنی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، دُوسرا طبقہ ''**مُقتصِد**'' یعنی اَوسط درجے والے اور تیسرا طبقہ ''**سابقٌ بالخیرات**'' یعنی خیر میں آگے بڑھ جانے والے کامل اور اَکمل لوگوں کا ہے۔ آیتِ کریمہ میں صریحاً تین طبقات کا ذکر ہوا۔ ناقص اَعمال والے لوگ 'ظالم' کہلائے، درمیانے درجے کے 'مقتصد' کہلائے اور اعلیٰ سطح کے لوگ 'سابق بالخیرات' اور کامل کہلائے۔ تینوں کا ذکر کرنے سے پہلے فرمایا: یہ تینوں طبقے ہمارے بندوں میں سے ہیں، اِن تینوں طبقوں کو ہم نے چن رکھا ہے اور یہ تینوں قرآن کے وارث ہیں۔ یہ قرآن کا فیصلہ اور اللہ کی سنت ہے کہ وہ قرآن کے وارث بھی ہیں، اللہ کے برگزیدہ و چنیدہ بھی ہیں، ہمارے بندوں میں سے بھی ہیں اور وہ تینوں جنت میں بھی جائیں گے۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت ظالم کہہ کر بھی جب اُنہیں اپنے چنیدہ بندوں سے خارِج نہیں کر رہا تو ہمیں کس نے اِجازت دی کہ ہم اپنی سمجھ بوجھ کے تحت دُوسروں کو دِین سے خارِج کرتے پھرتے ہیں! جب اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا کہ تینوں طبقات جنت میں جائیں گے تو کسی کو جہنمی قرار دینا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے!

اللہ نے تو ظالم کہہ کر بھی اُنہیں ''عِبَادِنَا'' یعنی اپنے بندے ہی کہا ہے، اللہ ظالموں کو بھی اپنا کہتا ہے، تو ہم کیوں اُنہیں غیر کہتے ہیں! کیوں خارِج کرتے ہیں ایک دُوسرے کو سنیت سے اور اِسلام سے! اُس نے تو ظالموں کو بھی اپنے چنیدہ بندے کہا ہے، وہ ظالموں کو بھی چنیدہ کی صف میں شامل کرتا ہے اور قرآنِ مجید کا وارِث بناتا ہے۔ اُس نے تو اُنہیں وراثتِ قرآن سے بھی محروم نہیں کیا اور ہم اِتنے سخت ہو جائیں کہ اللہ کی گرفت سے بھی بڑھ جائیں کہ ظالم قرار دیں اور پھر دین سے ہی خارِج قرار دے دیں۔ اللہ نے تو ظالموں کو بھی خارِج نہیں کیا اور قرآنِ مجید میں کہا کہ یہ تینوں طبقے میرے بندوں میں سے ہیں، چنیدہ ہیں اور قرآنِ مجید کے وارِث ہیں اور یہ تینوں جنت میں جائیں گے۔ اگر ہم اِتنی نرمی کر لیں اور اِسی قرآنی قاعدے پر اِکٹھے ہو جائیں تو مسلمانوں میں شکست و ریخت نہ ہو اور سب مسالک کے مسلمان باہمی برداشت اور رواداری کے ساتھ اِکٹھے رہ سکتے ہیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1329)

6- اِتحادِ اُمت میں حائل رکاوٹیں

تحریکِ منہاج القرآن کی طرف سے جاری اِتحادِ اُمت کی دعوت کو غلط رنگ دے کر بعض نادان لوگوں کو ہمارے خلاف اُکساتے رہتے ہیں، جب کہ ضرورت آج اِس امر کی ہے کہ ہم یہ غلط فہمی دُور کریں کہ جب تحریکِ منہاج القرآن کی طرف سے اِسلام کی بات ہوتی ہے تو اُس سے اہل سنت کی نفی نہیں ہوتی۔ کون بدبخت عقیدۂ اہل

سنت کی نفی کرے گا، میں پیدا عقیدۂ اہل سنت پہ ہوا، میرے آباؤ اَجداد اِسی عقیدے سے تھے، میں زندہ اِسی عقیدے پہ ہوں اور میری موت اِسی عقیدے پہ آئے گی۔ آپ حنفیت کی بات کرتے ہیں! ہم اِمام اعظمؒ کے سگ، سارا فیضان وہیں سے لیا۔ بات عقیدے کی ہے اور نہ حنفیت و تقلید کی ہے، کیس کی بات ہی نہیں ہے، کیس کی وکالت کی بات ہے۔ جو شے آج کے علماء کو سمجھ نہیں آ رہی وہ یہ ہے کہ آج کے زمانے میں اِسلام کے کیس کو پیش کیسے کیا جائے۔ زبان کیا اِستعمال کی جائے، دلائل کی نہج کیا ہو، اُسلوب و انداز کیا ہو۔ ہر دَور کے انداز جدا ہوتے ہیں۔ کچھ انداز آج سے پچیس سال پہلے تک کارگر تھے، وہ آج کارگر نہیں رہے۔ میرے والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ ''شرابِ کہن در جامِ نو'' زمانہ جوں جوں بدلتا رہے پیالہ نئے سے نیا بناتے رہو مگر شراب وہی پرانی رہے۔ طریقے، اُسلوب، نہج، انداز، دلائل، زبان، برتاؤ اور معاملات دُنیا کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہو مگر عقیدے کا سانچہ اور شرابِ عشق و محبت وہی پرانی رہے، جو سیدنا غوثِ اعظمؒ، خواجہ اجمیرؒ اور مجدد الف ثانیؒ نے پلائی، اُس میں تبدیلی نہ آنے پائے۔

اگر کسی کو یہ زعم ہے کہ وہ بڑا سنی ہے اور وہ ہمیں سُنیت سے خارج کرنے کے فتوے لگاتا ہے تو ربِ ذوالجلال کی عزت کی قسم اگر طاہرالقادری سنی نہیں ہے تو برصغیر کی دھرتی پہ کوئی سنی پیدا ہی نہیں ہوا۔ بہت سی باتیں ہیں جو کہنے کی نہیں ہوتیں، سچ آکھاں تے بھانبڑ مچدا۔ ہماری سُنیت، عقیدے اور حنفیت پر فتوے لگانے والے صرف پڑھ کے سُنی ہوئے ہیں جبکہ ہم دیکھ کر ہوئے ہیں۔ ہمیں ربِ کائنات نے وہ کچھ دکھایا ہے جو وہ شاید کبھی دیکھنے کا تصور بھی نہ کر سکیں۔ دُوسروں کی سُنیت متزلزل ہو سکتی ہے مگر طاہرالقادری کی سُنیت کو کروڑ نجدی آ جائیں تو وہ بھی متزلزل نہیں کر سکتے۔ یہاں جو آئے گا وہ اپنا گمراہ عقیدہ بدل کر حق کی طرف آ سکتا ہے مگر یہاں ایک رتی برابر لغزش نہیں لا سکتا۔ یہاں اِیقان ہے، غوث پاکؒ کے قدموں کی خیرات ایسی ہے، وہ بتاتے ہیں کہ سُنیت کیا ہے اور وہ جھولی بھرتے رہتے ہیں۔ اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے، تمہارے فتووں سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ کے بندو! ہمارے مہربان بھائیو! خدا کے لئے اُمت پہ رحم کرو۔ اس پریشان حال اُمت کو مزید گمراہی میں نہ دھکیلو۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 768)

7- اَعلیٰ حضرتؒ کے ہاں شدت کی حکمت

بعض اَوقات بڑی اعلیٰ پایہ کی شخصیات اِس وجہ سے گم ہو جاتی ہیں کہ وہ ایسے زمانوں میں جنم لیتی ہیں جب اہلِ زمانہ اُن کی عظمت کو ناپنے کے لئے خود اُتنے قدآور نہیں ہوتے، اِس لئے وہ اُن کی عظمت اور قدوقامت کا اندازہ

نہیں کر سکتے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ قدآور شخصیت گزر جاتی ہے تو اُس کے ورثاء ایسے مل جاتے ہیں کہ جو اُس کے قدوقامت کو صحیح معنوں میں متعارف نہیں کرا پاتے۔ وہ اُس کی تحقیقات کو منظر عام پر لانے کی بجائے فقط دُوسرے پہلوؤں کو آشکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اُس کے علمی نظم کو بیان کرنے کی بجائے فقط شاعری کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ جب ورثاء کا ضابطہ عمل اور طریق کار اُس مجتہدانہ و مجددانہ شان کے حامل اِنسان کی نسبت ایسا ہو تو پھر اَغیار سے کیا شکوہ کہ وہ اعلیٰ حضرتؒ کی قدر نہ پہچان سکے۔ جب اپنے نہ پہچان رہے ہوں تو غیر کیا پہچانیں گے! اگر وہ کسی ایسے زمانے میں ہوتے جب علم وفکر کے قدردان تھے اور اُن کی عظمت کا اندازہ کرنے والے لوگ خود صاحبانِ علم وفکر ہوتے تو اعلیٰ حضرت کا نام تاریخ میں کسی اور انداز سے لکھا جاتا۔ یہ زمانے کی ستم ظریفی ہے کہ وہ اُس دور میں ہوئے جب ہر شے کی قدر موجود تھی، اگر نہ رہی تھی تو علم کی قدر نہ رہی تھی۔

جب اللہ ربّ العزت کسی کو تجدیدِ دین کی ذمہ داری دیتا ہے تو اُسے طبیعت اور مزاج بھی اُس دور کے تقاضوں کے مطابق دیتا ہے، اُس کی تحقیق کا بھی وہی مزاج ہوتا ہے۔ کبھی شدت سے کام چلتا ہے، کبھی نرمی اور اِعتدال سے کام چلتا ہے، کبھی حکمت سے کام چلتا ہے، یہ ہر دَور کی علمی ضروریات ہوتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خانؒ اپنی صدی کے مجدد اِس لئے ہوئے کہ اُنہوں نے عقیدۂ اہل سنت کا دِفاع کیا اور اُسے مُردہ ہونے سے بچا لیا۔ اعلیٰ حضرتؒ کو اللہ ربّ العزت نے جو علم، اِستعداد، اِستنباط، اِستخراج، اِستدلال، صلابتِ رائے اور اِستنباط کے بعد اُس کا اِطلاق و اِنطباق اور مصادر تک رُجوع اور اُن سے اَخذ کی صلاحیتیں عطا کی تھیں، ہند میں اُس پورے دَور میں کسی مسلک کے عالم کے پاس بھی اُتنی صلاحیتیں نہیں تھیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تحقیق جتنی وسیع ہوتی چلی جائے طبیعت کی شدت اُتنی کم اور مزاج میں نرمی آتی چلی جاتی ہے، یہ تحقیق کا منطقی نتیجہ ہے۔ اِسی طرح تحقیق کی گہرائی اور وسعت جتنی کم ہو اُتنی ہی مزاج اور فتویٰ میں شدت زیادہ ہوتی ہے۔ شدت زیادہ ہونے میں تحقیق کی کمی کا دخل ہوتا ہے، اور اگر کسی مسئلہ پر تحقیق بڑھتی جائے تو طبیعت میں نرمی اور وسعت آ جاتی ہے۔ جب تمام مذاہب کے دلائل سامنے ہوتے ہیں، مذاہبِ اربعہ کے علاوہ مذاہبِ متروکہ کے دلائل بھی سامنے رہتے ہیں تو جتنی مطالعہ میں وسعت بڑھتی چلی جاتی ہے طبیعت میں شدت کم ہوتی چلی جاتی ہے، گنجائش بڑھ جاتی ہے اور اِعتدال آ جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جتنی تحقیق و مطالعہ کی وسعت اعلیٰ حضرتؒ کے پاس تھی اُس حساب سے ضروری

تھا کہ طبیعت میں شدت کا نام و نشان بھی نہ ہوتا اور اُن کے فتاویٰ میں وسعت اور نرمی ہوتی۔ ایک طرف تحقیق کا یہ عالم اور دُوسری طرف شدت کا یہ عالم، کہ اُن جیسا شدید فتویٰ ہندوستان میں کسی کے پاس نہیں۔ یہ دو چیزیں کیسے اکٹھی ہوگئیں؟ بس یہی وہ نکتہ ہے جس کا نام تجدید تھا۔ وہ صرف مجتہد نہیں تھے بلکہ وہ مجدد بھی تھے۔ اگر صرف اِجتہاد کی ذمہ داری ہوتو طبیعت میں نرمی ہوتی ہے۔ اُن کے ذمہ فقط علم نہیں لگایا گیا تھا، بلکہ اُن کے ذمہ ایک بہت بڑے حملے کے مقابلے میں مسلکِ حق کا دِفاع تھا۔ اور بند اگر کچی مٹی کا بنایا جائے تو وہ بہہ جاتا ہے، جب سیلاب سے روکنا ہوتو جتنا سخت سے سخت بند بنائیں تب رُکتا ہے۔ وہ جو شدت تھی وہ سیلاب کو روکنے کے لئے بند کی شدت تھی۔

عرب سے ایک نیا عقیدہ چلا اور ایک دو نہیں بڑی کثرت کے ساتھ علمائے ہند نے اُسے اپنایا۔ بہت بڑا دارالعلوم بنا، یہ ایک پورا التسلسل بنا، بڑی کثرت کے ساتھ پورے ہند سے علماء جمع ہوئے، اہلِ تصنیف ہوئے، بڑی بڑی کتابیں، تصانیف، علمی کام، حواشی، شروح سب کچھ کیا۔ وہ پورے ہندوستان کے صاحبانِ فتویٰ، صاحبانِ علم، علمی حوالے سے معتبر لوگ تھے۔ پھر اُن کے تلامذہ کا سلسلہ بھی آگے کثیر تعداد میں چلا۔ یک لخت جو ایک اِتنا بڑا نیا مسلک اُٹھا اور اُسے تقویت دینے کے لئے اِتنے تگڑے تگڑے لوگ کثیر تعداد میں تھے کہ اُس کا جواب اور دِفاع اگر نرمی سے کیا جاتا تو اہلِ علم تو شاید کچھ بچ جاتے مگر ہند میں عامۃ المسلمین کا عقیدہ و مسلک مٹی کی طرح بہہ جاتا۔ یہ جو عقیدہ و مسلک بچ گیا اور ہر جگہ 'مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' کی گونج ہے، یہ اُن کی اُس شدت کی برکت سے ہے، جس کے پیچھے تجدید کی حکمت کارفرما تھی۔ اُن کے ذِمہ تجدید کا یہ پہلو تھا کہ اِس خطے میں سوادِ اعظم کے عقیدۂ حق کو بچانا ہے، جس کے دو ہی راستے تھے، علم و تحقیق بھی تھا اور شدت و صلابت بھی تھی۔ اکثر لوگ شدت کی حکمت کو نہیں سمجھتے اور اُن کے مقام و مرتبہ سے ناآشنا رہتے ہیں۔ عام آدمی شدت اِختیار کرے تو وہ نقصان دِہ ہوتی ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ نے مجدد بنا کے بھیجا ہو اُسے پتہ ہوتا ہے کہ حکمت کیا ہے۔ اُن کے ذِمہ عشقِ رسول ﷺ کا فروغ، ادبِ رسول ﷺ کی ترویج، گستاخیِ رسول کو روکنا، یہ سب اُمور تھے۔ شدت اپنائے بغیر گستاخی جیسے قبیح جرم کو روکنا ممکن نہیں ہوتا، گستاخی نرم شاعرانہ باتوں سے نہیں ہوتی۔ گستاخی سب سے بڑا جرم ہے اور غلیظ جرم کو لطیف طریقے سے روکنا ممکن نہیں۔ اِسی لئے علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی جب گستاخِ رسول پر کتاب لکھی تو کتاب کا نام الصارمُ المَسلول (یعنی تیز دھار والی تلوار) رکھا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1156 اور 757)

8- ہم مناظرے کیوں نہیں کرتے؟

تحریکِ منہاج القرآن خود الصارمُ المَسلول ہے، یہ گستاخِ رسول کے اُوپر تیز دھار تلوار ہے، اور اِن شاء اللہ جب تک اللہ ربّ العزت نے ہمیں زندہ رکھا، ہم زندگی کے آخری سانس تک عقیدے کا ہر وہ گوشہ جو گستاخی ہو یا گستاخی کی طرف لے جائے اُس کی ساتویں زمین تک چھپی ہوئی جڑ کو بھی کاٹتے رہیں گے۔ جہاد ہمارا بھی وہی ہے، بس اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اَسلحہ بدلا ہے۔ مناظرانہ اُسلوب ایک وقت تک چلتا چلا آیا ہے لیکن اُس سے دِلوں میں دُوری پیدا ہوتی ہے، مناظرے میں ہار جانے والا کبھی اپنا غلط عقیدہ ترک نہیں کرتا۔ مناظرے بس ایک نشہ ہوتے ہیں، جن سے لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں، اِسلام کی خدمت میں مناظرے مثبت کی بجائے اُلٹا منفی کردار ادا کرنے لگے ہیں۔

ایک دَور تھا کہ جب اِسلام کے روحانی پہلو کو شرک و بدعت کے فتووں کے ذریعے دبایا جا رہا تھا۔ علمائے ہند کی کثیر تعداد اُس نکتہ نظر کی حامل ہوئی اور اُنہوں نے گستاخی پر مبنی عقیدہ کے فروغ کے لئے تصانیف لکھیں۔ وہ پورے ہندوستان کے صاحبانِ فتویٰ، صاحبانِ علم، علمی حوالے سے معتبر جانے جاتے تھے۔ پھر اُن کے تلامذہ کا سلسلہ بھی آگے کثیر تعداد میں چلا۔ یک لخت جو ایک اِتنا بڑا نیا مسلک اُٹھا اور اُسے تقویت دینے کے لئے اِتنے تگڑے تگڑے لوگ تھے کہ اُس بدعقیدگی کا جواب اور عقیدۂ حقہ کے دِفاع میں اعلیٰ حضرتؒ نے اپنی صدی کی حکمت کے مطابق شدت و صلابت کے ذریعے تجدید کا فریضہ سرانجام دیا اور اُس یلغار کے آگے ایسا بند باندھا کہ برصغیر کے عوام کا اِیمان بچ گیا۔

اُن سے اگلی صدی میں ضرورت تھی کہ علمی حوالے سے تصنیف و تالیف کے ذریعے اِتنا مواد دیا جاتا کہ وہ نیا عقیدہ بے دلیل ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ کی گستاخی کا عقیدہ مٹانے کے لئے تحریکِ منہاج القرآن کی طرف سے قرآن و حدیث کے وہ سمندر مسلکِ اہلِ سنت کو ملتے جا رہے ہیں کہ اَب کوئی سر اُٹھانے کے قابل بھی نہیں رہا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ گستاخی کا عقیدہ دفن ہو جائے گا۔ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ عقیدہ میں در آنے والی بدعات کو قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ ردّ کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں صحیح العقیدہ لوگ پھر سے آگے نکل گئے اور بدعقیدگی پھیلانے والے دفاعی پوزیشن میں چلے گئے۔ الحمدللہ عقیدۂ صحیحہ کو اِتنا عروج، قوت، عظمت اور فروغ ملا کہ اب دُوسرے سر چھپاتے پھرتے ہیں۔ حق کو ردّ کرنے والا اَب کوئی نہیں، حق نکھر کر اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ اَب الحمدللہ ردّ کوئی نہیں کرتا، علمی طور پر خاموشی ہو گئی، حضور ﷺ کے عشق و محبت کی نسبت کو قوت مل گئی، کتب کے

ذریعے علمی قوت ملی، سمندر کی طرح مواد ملا، ہر موضوع پر کتابیں ہیں اور ہر کتاب میں قرآن و حدیث ہی ہے کوئی تیسری بات نہیں، دُنیا کا کوئی شخص اِن دلائل کو ردّ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا، ہر مسئلہ پر قرآن و حدیث کی نص، آقا ﷺ کی اُمت کو عقیدۂ صحیحہ کے لئے علمِ صحیح میسر آ گیا۔ تاریخ دیکھے گی کہ پچھلی دو صدیوں میں پروان چڑھنے والا گستاخی پر مبنی عقیدہ صرف علمی دلائل کی بناء پر اپنی موت آپ مر جائے گا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 753 اور 1294)

9- عقیدۂ اہلِ سنت والجماعت اور محبتِ اہلِ بیتِ اَطہارؓ

بعض لوگ اہلِ بیتِ اَطہارؓ کی محبت کا نام لینے والوں کو شیعہ کا لیبل لگا دیتے ہیں، جس کا سبب سراسر جہالت ہے۔ محبتِ اہلِ بیتِ اَطہارؓ کا اصل عقیدہ اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ اہلِ سنت والجماعت ایک جامع مسلک ہے، جو اِن پانچ محبتوں پر اِعتدال کے ساتھ قائم ہے: (۱) محبتِ الٰہی، (۲) محبتِ رسول ﷺ، (۳) محبتِ اہلِ بیتِ اَطہارؓ، (۴) محبتِ صحابہ کرامؓ اور (۵) محبتِ اولیاء و صالحینؒ۔

پچھلے کچھ عرصہ سے اہلِ سنت کے نام کے ساتھ کام کرنے والے بعض لوگوں نے محبتِ رسول ﷺ کے عنصر کو اپنے تصورِ اسلام سے نکالنا شروع کر دیا اور اُسے شخصیت پرستی کا نام دیتے ہوئے اُس کی اہمیت کو کم کرنا شروع کر دیا۔ جو محبت و عشقِ رسول ﷺ کا نام لے اُسے شرک، بدعت اور شخصیت پرستی سے موسوم کرنے لگے، تاکہ لوگ عشق و محبتِ رسول ﷺ اور حضور کے ساتھ قلبی و رُوحانی ربط کی نعمت سے محروم ہو جائیں۔ جن لوگوں نے حضور ﷺ کی محبت کو دِلوں سے نکالنے کے پہلو پر محنت کی اُنہوں نے ہی ساتھ یہ محنت بھی کی کہ اہلِ سنت کے عقیدے سے اہلِ بیتِ اَطہارؓ کی محبت کو بھی کم کیا جائے۔ اُنہوں نے یہ تصور اِختیار کیا کہ اَہلِ بیتِ اَطہارؓ کا نام لینا اور اُن کی محبت کی بات کرنا شیعہ اِزم ہے یا مذہب اثنا عشری ہے۔

یہ سوچ دراصل خوارج کی سوچ ہے، یہ کسی سنی کی سوچ نہیں ہوسکتی۔ ہم نے اَہلِ سنت کا اصل عقیدہ قوم کے سامنے رکھا ہے، جو اِمام اَعظم اِمام اَبوحنیفہؒ، اِمام مالکؒ، اِمام شافعیؒ اور اِمام احمد بن حنبلؒ نے اُمت کے سامنے رکھا تھا۔ وہ یہ کہ اَہلِ سنت کا مسلک و مذہب اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے بعد صرف صحابہ کرامؓ ہی کی محبت سے عبارت نہیں، بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ اَہلِ بیتِ اَطہارؓ کی محبت بھی ایک مسلمان کے لئے جزوِ اِیمان ہے۔ بلاشبہ صحابہ کرامؓ اور

خلفائے راشدینؓ کی محبت اِیمان کا حصہ ہے، مگر صرف یہی اِیمان نہیں بلکہ اَہلِ بیتِ اَطہارؑ کی محبت کو اگر دِل سے نکال دیا تو اس طرح جیسے اِیمان باقی نہیں رہتا۔ حضور ﷺ نے مختلف اَحادیثِ مبارکہ میں اَہلِ بیتؑ کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا، اَہلِ بیتؑ کی محبت کو اپنی محبت کا وسیلہ قرار دیا، اَہلِ بیت سے محبت کرنے والے کو اپنی محبت کرنے والا قرار دیا۔ ہم نے یہ حقیقت واضح کی کہ اُمتِ مسلمہ کا حقیقی تصور کیا تھا۔ تمام اَئمہ و اَولیاء ڈیڑھ ہزار سال سے یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ ہم نے فقط خارجی عوامل کو بے نقاب کیا، کہ جو بے دھڑک سیدنا علی المرتضیٰؑ کی شان اور مقام و منصب پر تنقید کرنے لگے تھے، اَہلِ بیتِ اَطہارؑ کی محبت پر بے چینی اور اِضطراب ظاہر کرنے لگے تھے اور مسلمانوں کے دِلوں سے اس محبت کو یہ تہمت دے کر نکالنے لگے تھے کہ جو اَہلِ بیتؑ کا نام لے یا حضرت علیؑ کا نام لے وہ شیعہ ہے۔

لوگ اِس اِنتہاء تک آن پہنچے تھے کہ وہ سُنیت کا لبادہ اوڑھ کر یزید کو امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کہنے لگ گئے تھے۔ ٹی وی پروگراموں میں یزید کا نام لے کر اُسے رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ '**امیر المؤمنین یزید**' کے نام سے کتابیں لکھی گئی۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ خارجیت کو دوبارہ سے زندہ کیا جائے اور دِین میں ایک بہت بڑا فتنہ پیدا کیا جائے۔ ہم نے اُس فتنے کو کچلا ہے اور اُس کے آگے بے شمار خطابات اور تصانیف کے ذریعے قرآن و حدیث کے دلائل کی دِیوار کھڑی کی ہے۔ اُس فتنے کا پردہ چاک کیا ہے۔ اَہلِ سنت کا عقیدہ اور اِسلام کا صدیوں کا تسلسل اپنے اَصل حقائق کے ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں اور اَئمہ اَہلِ سنت کی تحریروں اور تعلیمات کی روشنی میں اُجاگر کیا ہے۔ ہم نے تو اَہلِ سنت والجماعت کا جامعیت پر مبنی اِیمان اور عقیدہ، جو اَوائل دَور سے لے کر اَواخر دَور تک کے اَکابرین کا تسلسل کے ساتھ ہے، اُسے اُجاگر کیا ہے۔ جب ہم نے یہ کہا کہ اَہلِ بیت کی محبت کو دِلوں سے نکالنے کی کوشش کرنا خارجیت ہے تو اُن کی کوششیں رائیگاں جاتی نظر آ رہی ہیں، اِس لئے وہ ہم پر فتوے لگاتے ہیں۔ دلیل کا جواب دلیل سے نہ ہو سکے تو لوگ کردارکشی پر آ جاتے ہیں، لیکن اِن چیزوں سے ڈرنا اَہلِ اِیمان کا شیوہ نہیں۔

جس دِل میں اللہ کی محبت نہیں وہ اِیمان سے خالی ہے اور جس دِل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت نہیں وہ بھی اِیمان سے خالی ہے۔ جو محبتِ رسول سے خالی ہو وہ محبتِ الٰہی اور توحید کا دعویٰ کرنے کا بھی حق دار نہیں، کیونکہ محبتِ رسول ﷺ ہی محبتِ الٰہی کا وسیلہ ہے۔ جس شخص کے دِل میں صحابہ کرامؓ کی محبت اور عزت و تکریم نہیں وہ بھی صاحبِ اِیمان نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری محبت کی وجہ سے میرے صحابہؓ سے محبت کرو اور میرے اَدب کی وجہ سے اُن کا اَدب کرو۔ اور جو شخص اَہلِ بیتِ اَطہارؑ کی محبت کو اپنے دِل میں کم کرتا ہے، یا اُسے اَہلِ سنت یا اِسلام سے خارج کرنے

کی کوشش کرتا ہے، دراصل وہ خارجی نکتہ نظر کو دوبارہ زندہ کر رہا ہے، وہ بھی اِسلام سے دھوکہ کر رہا ہے۔

تحریکِ منہاج القرآن نے گزشتہ 30 برس کی جدوجہد میں اِسلام کی جامعیت اور اُس کے ہمہ جہتی پہلو کو اِعتدال کے ساتھ اُجاگر کیا ہے، اور یہ کوشش کی ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے دونوں دھارے (اہلِ سنت اور اہلِ تشیع) بجائے یہ کہ وہ دُور سے دُور تر ہوتے چلے جائیں، اُنہیں مشترکہ اَقدار پر قریب لایا جائے تاکہ فرقہ پرستی کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: انٹرویو شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1001)

10- اِیمانِ ابوطالبؑ

نبی اَکرم ﷺ نے چالیس برس کی عمر میں اِعلانِ نبوت فرمایا۔ آپ ﷺ نبی تو پہلے بھی تھے مگر اِعلان کا حکم چالیس سال کی عمر میں ہوا۔ نبوت کا ثبوت تو آدمؑ کی تخلیق سے بھی پہلے تھا۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کی نبوت کب سے ثابت ہے تو فرمایا: جب آدمؑ بھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز کا ثبوت الگ بات ہے اور اِظہار و اِعلان الگ بات ہے۔ اگر کسی کو کتابوں میں اِظہار و اِعلان نہ ملے تو وہ سرے سے ثبوت کا ہی اِنکار نہ کر دے۔ کتب حدیث و سیرت میں اِیمان اَبوطالبؑ کے اِثبات میں ستر شواہد و قرائن ملتے ہیں۔ ذیل میں اُن میں سے ایک دلیل پیشِ خدمت ہے۔ اللہ ربّ العزت نے اِعلانِ نبوت کا حکم دیتے وقت حضور نبی اکرم ﷺ سے فرمایا:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ○ (الشعراء، 26 : 214)

’’اور (اے حبیب مکرم!) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (ہمارے عذاب سے) ڈرائیے ○‘‘

جب چالیس برس کی عمرِ مبارک میں اللہ ربّ العزت کی طرف سے حکم آیا کہ نبوت کا اِظہار و اِعلان فرما دیں تو آپ ﷺ نے تبلیغِ اِسلام کی اِبتداء اپنے اَقرباء سے کی۔ واقعہ معروف ہے کہ سب سے پہلے حضور ﷺ نے کوہِ صفا پر قریش خاندان کے سب سرداروں کو اِکٹھا کیا اور اپنی نبوت کا پہلا اِعلان فرمایا۔

کوہِ صفا کے واقعہ کے بعد تاجدارِ کائنات ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ اپنے گھر میں اُن سارے سرداروں کو دَعوت پر بلاؤ تاکہ گھر میں بیٹھ کر میں اُن سے اِسلام کی بات کروں۔ اُس موقع پر سیدنا علیؓ کی عمر کم و بیش دس سال تھی اور وہ یقیناً حضرت اَبوطالبؑ کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ اِمام اِبن جریر طبریؒ، اِمام بیہقیؒ، اِمام اِبن اَثیرؒ، اِمام اِبن کثیرؒ، اِمام اِبن عساکرؒ، اِمام المقریزیؒ، غرض تمام اَئمہ سیرت نے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

وہ گھر حضرت علیؑ کا تھا یا حضرت ابوطالبؓ کا! حضرت علیؑ تو اُس وقت دس سال کے بچے تھے۔ کس کے گھر دسترخوان بچھایا جا رہا تھا! کون سردارانِ قریش کو دعوتِ توحید و رسالت سنوانے کے لئے کھانے کا اہتمام کر رہا تھا! بکرے ذِبح کئے گئے، گوشت پکایا گیا، دودھ کے کٹورے رکھے گئے، کون گھر سے خرچ کر کے دعوتِ اِسلام کی مجلس منعقد کر رہا تھا!! دارِاَرقم میں جو تین سال تک چھپ چھپ کر تبلیغِ اِسلام کا اِہتمام ہوتا تھا، وہ بعد میں مرکزِ توحید بنا، سب سے پہلا جو گھر مرکزِ دعوتِ توحید بنا وہ وہ دارِ اَبی طالبؓ ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور سردارانِ قریش کو توحید کی دَعوت دی۔ کیا ہم اِیمان کا اِعلان نہ ہونے کی بناء پر اُس ہستی کے اِیمان پر شک کریں جو تبلیغِ اِسلام کی میزبانی کے لئے اپنے گھر کو سب سے پہلے پلیٹ فارم کے طور پر پیش کر رہے ہیں!!!

یہ دعوت تین دن تک جاری رہی، تین دن کھانا ہوا اور حضور ﷺ کے خطابات ہوئے۔ اِمام اِبن اَثیرؒ اور اِمام طبریؒ روایت کرتے ہیں کہ تیسرے دن دعوت کے اِختتام پر حضرت اَبوطالبؓ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ تین دن تک آپ کی باتیں سن کر ہمیں آپ کی مدد اور معاونت سے محبت ہوگئی ہے، ہم نے آپ کی نصیحت خوب قبول کر لی ہے اور ہم نے آپ کی بات کی تصدیق کا اِعلان کر دیا۔ آپ کی دعوتِ توحید کی مدد و نصرت ہمارا فریضہ ہوگیا۔

اُس کے بعد مزید کون سا اِعلان باقی رہ گیا، جس اِعلان کا اِنتظار لوگوں کو اُن کی عمر مبارک کے آخری دن تک ہے کہ کب قبولِ اِسلام کا اِعلان کرتے ہیں! وہ تو پہلے دن اِعلان کر چکے، وفات کے دن قبولِ اِسلام کا اِعلان تلاش کرنے کی کیا حاجت بچتی ہے۔

(برائے مزید ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 25)

11- علماء کرام کا مقام اور کردار

ہمارے معاشرے میں علمائے کرام عوام کے دلوں میں وہ مقام نہیں پیدا کر سکے جو اُنہیں کرنا چاہیئے تھا، جس کی کئی وُجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہمارے ہاں علماء کا جو مفہوم سمجھا جاتا ہے وہ درست نہیں۔ بالعموم ہم فقط اُنہی کو علماء سمجھتے ہیں جن لوگوں نے مدرسہ میں دِینی نصاب پڑھ لیا اور وہ مساجد میں اِمامت و خطابت کے فرائض سرانجام دیتے ہوں یا کسی دارالعلوم میں تدرِیس کے فرائض سرانجام دیتے ہوں، جبکہ صورتحال اِس کے برعکس ہے۔ عالم کا تصور اور دائرہ بڑا وسیع ہے۔ ہم ایک سائنسی دَور میں رہ رہے ہیں۔ جدید علوم وفنون اِتنے ترقی کر چکے ہیں کہ تعلیم یافتہ طبقہ

دِینی معاملات کو بھی دورِجدید کے علوم وفنون اور اَفکار ونظریات کی روشنی میں پرکھتا ہے اور محض اِس لئے کسی بات کو قبول کر لینا کافی نہیں سمجھتا کہ یہ فلاں کا قول ہے۔ وہ ہر بات کی تہ میں جا کر اُسے سمجھنا چاہتا ہے۔ اگر بات اُس کی سمجھ میں آ جائے تو وہ اُسے فوراً دِل سے قبول کر لیتا ہے۔ اور اگر بات دلائل کے ساتھ نہ سمجھائی جائے تو اُس صورت میں دوقسم کے ردِعمل کا اِمکان ہوتا ہے۔ پہلا یہ کہ وہ اُس بات کا کلیتاً اِنکار کر دے اور کھلی سرکشی پر اُتر آئے۔ دُوسرے اگر وہ کسی ایسے خاندان کا فرد ہے جہاں حیاء کی قدریں قائم ہوں تو پھر وہ خاموش ہو جاتا ہے، مگر اِس صورت میں بھی اُس کے دِل و دِماغ میں اِضطراب برقرار رہتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ علماء جن سے اُس نے دِین کی بات سنی اُس کے دل میں اُن کی قدر ومنزلت باقی نہیں رہتی۔ اِس صورتِ حال کا بڑا سبب مدرسوں میں رائج نصاب ہے۔ مدارس میں دورِجدید کے علوم وفنون اور اَفکار ونظریات کی تعلیم شاملِ نصاب ہی نہیں ہوتی جبکہ پڑھا لکھا ذِہن اُن سے سائنسی نکتہ نظر سے جواب کا متقاضی ہوتا ہے، جس میں وہ قاصر رہتے ہیں اور اُسے مطمئن نہیں کر پاتے۔

خرابی ہمیشہ تین میں سے کسی ایک جگہ سے پیدا ہوتی ہے۔ پہلی خرابی ''دِماغ'' سے اُبھرتی ہے، جس کے خاتمے کے لئے ذِہن و دِماغ کا اِطمینان ضروری ہے اور وہ جدید علمی تقاضے پورے کئے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ علماء کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم میں تحقیق کے ذریعے اُن تقاضوں کو پورا کریں، جو دورِحاضر کے دِماغ کو مطمئن کر سکیں۔ مگر ہمارے علماء میں اِس بات کا فقدان ہے۔

دُوسری خرابی ''دِل'' سے پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی بات اُن کے دِل پر اَثر کرے تو اُس سے اُن کا ذہن بھی مطمئن ہوجاتا ہے۔ بعض لوگ اللہ کے وُجود کو مانتے ہیں، آخرت کو مانتے ہیں، نیکی و بدی کا اِمتیاز ذِہنی سطح پر قبول کرتے ہیں، اِسلام کو مانتے ہیں، لیکن اُس کے باوجود اُن کی طبیعت اس مسئلہ کی طرف راغب نہیں ہوتی۔ یعنی جس کے دِل کا مسئلہ ہو وہ شخص صرف دلائل سے راغب نہیں ہوسکتا۔ اُس کے سامنے آپ لاکھ دلائل دیں سائنسی حوالے سے بھی وہ کسی سے اَثر قبول نہیں کرتا۔ لیکن جب آپ اُس کے دل کے تار چھیڑتے ہیں تو وہ حق کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔

تیسری خرابی ''کردار'' میں روحانیت اور صالحیت کے فقدان سے پیدا ہوتی ہے۔ اِسلام کے دورِ اوائل میں صوفیاءِ کرام 'روحانیت'، 'فعال تصوف' اور 'تقویٰ' پر جو زور دیتے تھے، اُس سے ایک روحانی تاثیر پیدا ہوتی تھی۔ اِس کے علاوہ اُن کے قول وعمل میں اِس قدر مطابقت ہوتی تھی کہ لوگوں پر فوری اَثر ہوتا تھا۔ آج کے دَور میں اِس کا بھی

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

فقدان ہو گیا ہے۔ اگرچہ آج بھی اللہ کے فضل سے ایسے علماء موجود ہیں جن کے قول و فعل میں مطابقت ہے اور جن کی شخصیتیں پُر تاثیر ہیں مگر اُن کی تعداد بہت کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل علماء کی اپیلیں دِلوں پر زیادہ اَثر نہیں کرتیں۔

اگر ہم ایک بار پھر اپنے بزرگوں اور اَسلاف جیسے بھرپور طرزِ زندگی کی طرف لوٹ جائیں تو پھر اُن کی صحبتیں اور اُن کی پُرتاثیر قدریں بھی لوٹ آئیں گی۔

12- نئی نسل کی دِین سے دُوری کا سبب

اعلیٰ تعلیمی اِداروں میں زیرِتعلیم پاکستان کی نئی نسل بالعموم علماءِ کرام سے دُور بھاگتی ہے، جس کے کئی اَسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ کہ وہ نئی نسل کے سامنے اِسلام کے تصور کو سائنسی بنیادوں پر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ہر دَور کی ایک عقلِ عامہ (common sense) ہوتی ہے اور علماءِ کرام کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ اِسلام کا پیغام اُس دور کی عقل کے تقاضوں کے مطابق پیش کریں۔ اِس بارے میں قرآن مجید میں واضح اِرشاد ہوتا ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَo (النحل، 16 : 125)

’’(اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور اُن سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو، بے شک آپ کا رب اُس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہےo‘‘

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ ربّ العزت نے دعوتِ دین کے لئے تین شرائط کا ذِکر فرمایا ہے اور ہمارے یہاں اِلا ماشاء اللہ اِن تینوں کا فقدان ہے۔ یہاں نوجوان نسل کے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں اُن کا قصور نہیں بلکہ زیادہ تر دِین کی تبلیغ کرنے والے قصوروار ہیں۔ وہ تین شرائط یہ ہیں:

1. حکمت 2. نصیحت 3. جدالِ اَحسن

اَب سب سے پہلے ہمارے ہاں حکمت کا فقدان ہے۔ جس اَنداز کے ساتھ اِن تینوں تقاضوں کو علمی، تحقیقی، سائنسی اور تجرباتی پہلوؤں کو مدِنظر رکھ کر اِسلام کے تقاضوں کو متعارف کرانے کی ضرورت تھی وہ حق اَدا نہیں کیا جا رہا۔ یہ سائنس کا دور ہے، جس میں ہر شے کو تنقید کے معیارات پر پرکھا جاتا ہے۔ اِس دَور میں اِنسان فوری اِنکار، تنقید،

کیوں اور کیا، why اور what کی طرف جاتا ہے۔ جبکہ اِس کے برعکس جس اَنداز سے اِسلام کو پیش کیا جارہا ہے وہ فقط فتویٰ کا اَنداز ہے کہ قرآن و حدیث نے کہہ دیا تو بس اِس لئے مان لیا جائے۔ آج کا نوجوان پوچھتا ہے کہ قرآن و حدیث نے ایسا کیوں کہا؟ اَب قرآن و حدیث خود تو یہ نہیں بتاتے کہ ایسا کیوں کہا ہے، اِس کا جواب تو علماء نے دینا ہے۔ یہ جواب سائنسی تجربی توثیق جانے بغیر علماء پیش نہیں کر سکتے، جس سے سارا معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔

ہمارے یہاں تبلیغ کی حکمت کا فقدان ہے۔ تبلیغ کے لئے جو تقاضے پورے ہونا چاہیئے تھے وہ نہیں ہو رہے۔ نوجوان نسل کا ذِہنی اِنتشار ختم ہوسکتا ہے، بشرط یہ کہ موجودہ دَور کے تقاضوں کو پورا کر کے اِسلام کی تبلیغ کی جائے۔ اِسلام کو سائنسی طرزِ فکر کے مطابق مدلل اَنداز میں پیش کیا جائے۔ دورانِ تبلیغ اَیسے جدید نظریات اور فلسفے جو اِیمان کو متزلزل کرتے ہیں، اُن کا تقابل کرتے ہوئے دِین کو پیش کیا جائے۔

دُوسرے اِسلام کے حلقوں میں تفرقہ و اِنتشار اور کفر کے فتوے سننے کو ملتے ہیں۔ نوجوان یہ سوچتے ہیں کہ ہم کس اِسلام کو مانیں، یہ تو آپس میں ہی ایک دُوسرے کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ یہی حکمت کا فقدان ہے، جس کی وجہ سے نوجوان نسل اِنتشار کا شکار ہے۔ اِسلام کی دَعوت دینے والوں کے کردار میں اِسلام کی تعلیمات کم نظر آتی ہیں۔ وہ تعلیم کے اسٹیج پر کچھ اور سنتے ہیں اور جب تعلیم دینے والوں کے قریب جا کر اُن کی عملی زندگی کو بغور دیکھتے ہیں تو اُن کے اپنے عمل میں جتنا تضاد دِین کی تبلیغ کرنے والوں کے ہاں پیدا ہوگیا ہے اُتنا شاید ہی کسی اور حلقے میں ہوگا۔

یوں تو تضاد سوسائٹی کے ہر طبقے میں ہے، مگر علماء کا تضاد دِین کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ نوجوان نسل متنفر ہوتی ہے۔ پھر مولوی کا ایک خاص سمبل اُن کے ذہن میں بن گیا ہے، جس کا وہ مذاق اُڑاتے ہیں۔ مولوی کو جہالت اور قول و فعل کے تضاد کا نمونہ تصور کرتے ہیں۔ حالاں کہ مولوی تو بہت بڑا نام ہے، ایک زمانے میں یہ علم کے ایک ستون کا نام تھا۔ مگر بدقسمتی سے اِس دَور میں جو تصور پروان چڑھا ہے، اُس نے مولوی کو عام آدمی سے دُور کر دیا۔ جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ علماء نے جدید علوم پڑھنے چھوڑ دیئے ہیں اور وہ مدارس کے نظام کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جدید علوم اُن کے پاس نہیں ہیں تو وہ اِس دَور کے تقاضوں پر بات کرنے کے ہی اَہل نہیں۔ علاوہ اَزیں علم کی قوت سے اَحوالِ قلبی نہیں بدلتے بلکہ اَحوالِ قلبی تو محبت سے بدلتے ہیں۔

ہمارے مذہبی حلقے اِسلام کے نام پر قتل و غارت کا بازار گرم کر رہے ہیں۔ جامعات اور تعلیمی اِداروں میں مذہب کے نام پر مسلمانوں کو ملحد، دہریہ، کافر اور لادین قرار دیا جا رہا ہے۔ اِس سارے رویے کا باعث فی الحقیقت

سیاسی محرکات ہیں۔ سیاسی جماعتوں اور تنظیموں کے اندرونی اِختلافات کے باعث نئی نسل کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ جو طالب علم اُن کی سیاسی قوت اور اُن کے الیکشن پروگرام سے موافقت نہیں رکھتا اُسے لادین اور ملحد قرار دے کر مزید دُور کر دیتے ہیں۔ اِختلاف تو صرف زاویۂ نگاہ کا ہوتا ہے، اس کی بجائے اُسے دین پر اِختلاف قرار دے دیا جاتا ہے۔ یونیورسٹی سطح کے نوے فی صد نوجوان لادِین نہیں بلکہ منتشر ذِہن کے حامل ہوتے ہیں۔ اُن کی سوچیں واضح نہیں ہوتیں، وہ جدید فلسفوں کو سنتے ہیں تو ڈانواں ڈول ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں جب اُن پر کفر کا فتویٰ لگتا ہے تو اُس کا ردِعمل شروع ہوجاتا ہے۔ اُس ردِعمل کا آغاز سیاسی دھڑے بندیوں سے ہوتا ہے اور پھر اُسے دِینی رنگ دے دیا جاتا ہے۔

وہ نوجوان نسل جو اِسلام کے نام سے پہلے ہی بیزار ہو چکی تھی، جب ساری کارروائی اِسلام کے نام پر ہوتے دیکھتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اگر یہی اِسلام کے اِجارہ دار ہیں اور اگر یہی اِسلام کا کردار ہے تو اَیسے اِسلام کو ہمارا دُور ہی سے سلام۔ یوں اگر وہ لادین نہیں بھی تھے تو چار و ناچار لادِین بنا دیئے جاتے ہیں۔

فرقہ وارِیت کسی ایک فرقے کا نام نہیں ہے، فرقہ وارِیت ایک روِیہ اور سوچ کا نام ہے۔ فرقہ وارِیت ایک ضابطہ عمل ہے، ایک طریقہ کار ہے اور ایک زاویہ نگاہ ہے کہ آپ اپنے سوا کسی کو بھی مسلمان نہ سمجھیں، یہی فرقہ وارِیت ہے۔ اپنے سوا کسی کو زندہ رہنے کا حق نہ دینا، اپنے سوا کسی کو اِسلام کے لئے کام کرنے کا اَہل نہ سمجھنا، اِسلام کو صرف اُسی صورت میں اِسلام سمجھنا جب وہ ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اگر ہمارے ہاتھوں سے نکل کر اِسلام کا کام دُوسرے ہاتھوں میں چلا جائے تو وہ اِسلام نہیں رہتا، یہ تو اپروچ ہے مذہبی حلقوں کی۔ اِس عصبیت، تشدد اور تنگ نظری نے اِسلام کو قربانی کا بکرا بنا دیا ہے۔ یہ لوگ دِین کو اپنے اپنے سیاسی مفادات کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔ یہ تمام باتیں جدید نسل اور اَعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کو، حتیٰ کہ اَیسے اَن پڑھ لوگوں کو بھی جو حالات کو بغور دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، دِین سے دُور کرنے کا باعث بن رہی ہیں اور دِین سے بغاوت کے اَسباب پیدا ہورہے ہیں۔

نئی نسل کے دِین سے بیزار ہو جانے کی ذمہ داری اُن سے زیادہ دِین کے نام نہاد اِجارہ داروں اور علمبرداروں پر عائد ہوتی ہے۔ اگرچہ عاقل و بالغ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ خود بھی ذمہ دار ہیں کہ اَیسے علماء کو دیکھ کر دِین سے دُور ہونے کی بجائے اَزخود دِین کا مطالعہ کریں اور اُس کا پیغام سمجھنے کی کوشش کریں، لیکن اُس کے اَصل ذِمہ دار دِین کا پرچار کرنے والے لوگ ہیں۔ اگر ہم سنبھل جائیں اور اَپنے علم، حکمت اور کردار و عمل میں اُس جدالِ اَحسن کی روِش کو اپنائیں، جس کی بنیاد قرآنِ مجید نے فراہم کر دی ہے تو یہ نوجوان بھی یقیناً سنبھل جائیں گے۔

مجھے اکثر لوگ آ کر بتاتے ہیں کہ اُن کے محلے کا لڑکا گلیوں میں کھڑا ہوتا تھا، سینما جاتا تھا، سیٹیاں بجاتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ تحریکِ منہاج القرآن سے وابستگی کے بعد اُس کے حالات بدل گئے ہیں۔ ہمارے پاس بہت سے نوجوانوں کے والدین آ کر اِس بات کا اِعتراف کرتے ہیں کہ آپ کی وجہ سے ہمارے بیٹے کی زندگی بدل گئی، اُس کی کایا پلٹ گئی۔ ہمیں سو سو طرح سے دُعائیں دیتے ہیں۔ اگر اِس نہج پر بھی کام کیا جائے تو آج کا نوجوان نسبتاً اچھا نوجوان ہے، اُس میں جذب و قبول کی صلاحیتیں بدرجہ اَتم موجود ہیں۔ قصور سراسر ہمارا اپنا ہے، ہم تو خود نوجوان نسل کو سنوارنا نہیں چاہتے اور اُس بگاڑ کا ذمہ دار دُوسروں کو قرار دیتے ہیں۔

13- دُنیا چھوڑ کر تبلیغ دِین کے کام کرنا

دُنیا کی محبت کو دِل سے نکالنے میں ناکام ہونے پر اور بسا اَوقات دُنیا کی پریشانیوں سے تنگ آ کر لوگ سوچتے ہیں کہ شاید تارکُ الدنیا ہو جانے میں بھلائی ہے۔ جب کہ ایسا ہرگز نہیں، یہ تصور اِسلام کا دِیا ہوا نہیں ہے۔ اِسلام ہرگز اَیسا درس نہیں دیتا کہ آپ معاشرتی زندگی کے فرائض ترک کر کے اللہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔ دُنیا کو چھوڑ کر دِین کی خدمت کے نام سے گھربار چھوڑ کر نکل جانا قطعاً اِسلام کا منشاء نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک بھرپور معاشرتی زندگی گزاری اور اپنے صحابہ کرامؓ کو بھی اُسی کا درس دیا۔ اصل اِسلام تو یہ ہے کہ بندہ دُنیا میں رہے مگر اُس کے دِل میں دُنیا نہ رہے۔ اُس کا دِل حرص و ہوس سے خالی ہو اور وہ دُنیا میں رہتے ہوئے بھی نہ صرف ہمہ وقت اپنے مولا کو یاد رکھے بلکہ اُس کی مخلوق کے ساتھ ہمیشہ بھلائی سے پیش آئے۔ بڑے بڑے صوفیاء تجارت کرتے تھے، وہ اَمیر کبیر تھے اور اپنا مال اَللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور مخلوقِ خدا کے دُکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔

14- زِندگی کا مقصد

زِندگی کے بارے میں بالعموم دو تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک تصور یہ ہے کہ زندگی اِتفاق سے وُجود میں آ گئی۔ اَیسی سوچ رکھنے والے زِندگی کا کوئی مقصد متعین نہیں کر سکتے۔ اِس تصور میں زندگی کے اَخلاقی و رُوحانی پہلو کا وُجود ہی نہیں بچتا۔ بندہ ساری زندگی پیسہ کمانے اور خرچ کرنے میں گزار دیتا ہے اور اِس سے بڑھ کر اُس کی سوچ میں کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

دُوسرا تصور یہ ہے کہ زِندگی کو اللہ ربّ العزت نے کسی خاص مقصد کے لئے وُجود دیا ہے۔ وہ زِندگی کوئی

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

زِندگی نہیں ہے جو بلامقصد ہی گزر جائے۔ صرف زِندہ رہنے، کھانے پینے، معاشی کفالت کے لئے کاروبار کرنے اور اَفزائشِ نسل ہی کے لئے ہمیں زندگی نہیں دی گئی، بلکہ یہ سب تو زندگی کے لوازمات ہیں، زِندگی کا مقصد نہیں ہیں۔ اِن سب لوازماتِ حیات کو نبھاتے نبھاتے بندہ دُنیا سے رُخصت ہو جاتا ہے اور اگر اُس سے آخری عمر میں پوچھا جائے کہ تمہاری پچاس ساٹھ سال کی زِندگی کا مقصد کیا تھا اور تم اُس میں کتنے کامیاب ہوئے تو اُس کے پاس جواب نہیں ہوتا۔ اَیسی زندگی گزارنے سے اِنسان کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور اِنسان اور حیوان میں صرف عقل کا فرق رہ جاتا ہے، باقی ہر معاملے میں وہ حیوان کی مثل ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے آسمانی ہدایت کو نظراَنداز کر کے اپنے طور پر خدا تک پہنچنے کی کوشش کی وہ اپنی ذاتی کوششوں سے خدا تک نہیں پہنچ سکے۔ فلسفہ 'اِمکانات کی دُنیا' سے باہر نہیں نکل سکتا، اِس لئے تشکیک میں رہتا ہے اور ساری زِندگی شک کو دُور کرنے کی سوچتا رہتا ہے۔ اِسی طرح سائنس بھی اِمکانات ہی کے تابع چلتی ہے، اِس لئے وہ خدا کو ثابت نہیں کر سکتی۔ سائنس کی تحقیقات کی بدولت ہم نے جانا کہ اِنسان کے DNA سے خلئے تک اور خلئے سے اُس کے پورے جسم تک کہیں کوئی اِتفاق نہیں پایا جاتا، ہر جگہ ایک کامل نظام موجود ہے، جس کے تحت زِندگی چلتی ہے۔ اُس کے باوُجود سائنس اِس نظامِ حیات کا مقصد متعین کرنے سے قاصر ہے۔

فلسفہ اور سائنس دونوں زندگی کا مقصد بتانے سے قاصر ہیں۔ صرف آسمانی ہدایت ہی زِندگی کی حقیقت کا جواب دیتی ہے اور وہ یہ کہ زندگی اَز خود اِتفاقاً وُجود میں نہیں آئی بلکہ کسی خالق نے زِندگی کو کسی مقصد کے لئے اِرتقاء کے پورے نظام کے تحت اپنے مقام پر پہنچ کر تشکیل دیا ہے۔ اور اِنسان حیات کے اِرتقاء کا وہ آخری نکتہ ہے، جسے زِندگی کا کمال کہتے ہیں۔ جب اِس نکتہ نظر سے دیکھتے ہیں تو اِنسان اِس کائنات میں بہت بڑا مقام رکھتا ہے۔

جن چیزوں کو ہم نے زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے وہ زِندگی کے تقاضے ہیں اور وہ محض ہمارے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ وکیل، سائنسدان، ڈاکٹر، انجینئر بننا مقصد نہیں ہو سکتے، یہ تو محض پیشے اور ذرائعِ معاش ہیں۔ یہ تو ضروریات ہیں اور ضروریات کبھی مقصد نہیں ہوتیں بلکہ کسی مقصد کی تکمیل کی خدمت گار ہوتی ہیں۔ تمام ضروریات اور تمام پیشے اِنسان کے خدمت گار ہیں۔ اسی طرح سورج، چاند، ستارے، جمادات، نباتات، حیوانات، زرخیز زمین، دریا، پہاڑ، ہوا سب اِنسان کے خدمت گزار ہیں، جن کی وجہ سے ہماری زندگی کو رہنے کے لئے ایک آسان ماحول ملتا ہے۔

جب کائنات کی تمام چیزیں اِنسان کی خدمت پہ لگی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِنسان کی زندگی کا مقصد کیا

ہے۔ جب اِنسان مخدوم و مقصودِ کائنات ہے تو اِنسان کی زندگی کا مقصد اُن چیزوں کے مقاصد سے اَعلیٰ ہونا چاہیئے۔ ساری کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے کسی مقصد سے ہو رہا ہے تو پھر اِنسان ہی بلامقصد کیسے ہوسکتا ہے! اِنسان سے اَعلیٰ کائنات میں کوئی اور شے نہیں، اُس سے اعلیٰ صرف اللہ کی ذات ہے اور وُہی اِس کی زِندگی کا مقصد ہے۔ اللہ کی عبادت، بندگی، معرفت، پہچان اور اُس سے محبت ہی اِنسان کی زِندگی کا اصل مقصد ہے۔ ایسی زِندگی بسر کی جائے جس سے اُس کا خالق خوش ہو جائے، یہ واحد مقصد ہے جو اِنسان کی تمام تر بلندیوں اور عظمتوں سے بھی بلند ہے۔

زِندگی کامیاب تب ہے اگر وہ سپردِ بندگی ہو جائے، یعنی بندہ جس قدر ہو سکے دِین کی خدمت میں حصہ لے۔ اپنے پیشہ کے ساتھ مخلصانہ وابستگی جاری رکھتے ہوئے، ساتھ میں دِین کی خدمت کے لئے سب سے پہلے کسی اَیسے چشمۂ دِین سے منسلک ہو جائے جہاں اُسے اِطمینانِ قلب میسر ہو، پھر اُس کے بعد وقت اور پیسہ سمیت جس قدر ممکن ہو ہر قسم کی صلاحیتیں خدمتِ دین کے لئے وقف کر دے۔ یہی بندگی ہے اور یہی مقصودِ زندگی ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1066)

15- تصوف

اِس دور میں نام نہاد پیروں نے تصوف کے نام پر دکان داری چمکا رکھی ہے اور اُن کے پیکروں میں تصوف کی معمولی جھلک تک نظر نہیں آتی۔ اُن کے طرزِ عمل نے یہ مغالطہ پیدا کر دیا ہے کہ شاید تصوف کا دِین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تصوف ہی اَصلِ دین ہے۔ دین کے تین گوشے ہیں۔ ایک گوشے کی اَصل 'اِیمان' ہے، دُوسرے گوشے کی اَصل 'اِسلام' ہے اور تیسرے گوشے کی اَصل 'اِحسان' ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے، جسے 'حدیثِ جبرئیل' بھی کہتے ہیں۔

اُس حدیث کے مطابق جبرئیل اَمینؑ حاضر ہوئے اور سوال کیا: ''یارسول اللہ ﷺ اِیمان کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ، اُس کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں اور قیامت پر اِیمان لانے کو بیان فرما دیا۔

اُس کے بعد جبرئیل اَمین نے پوچھا: ''حضور ﷺ اِسلام کیا ہے؟'' اُس سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے 'اَرکانِ اسلام' کو بیان فرمایا۔

اگر دِین کی بات فقط عقیدے اور عمل پر ختم ہوجاتی تو جبرئیل امین بھی اپنی گفتگو یہاں ختم کر دیتے ہیں، مگر

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

اُنہوں نے تیسرا سوال بھی کیا اور وہ یہ تھا: ''یا رسول اللہ ﷺ اِحسان کیا ہے؟''

جبرئیلِ اَمین کے اِن تین سوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ دِین محض '**عقیدہ**' اور '**عمل**' سے ہی عبارت نہیں، بلکہ اُس کے ساتھ '**اِحسان**' کو شامل کر کے مکمل ہوتا ہے۔ عقیدے اور عمل کی دُرُستگی کے بعد اُن دونوں کے اُوپر دِین کا تیسرا زِینہ یہی ہے، جسے جبرئیل اَمین نے 'اِحسان' کے نام سے پوچھا۔ اُس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اِحسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت و بندگی یوں (اِختیار) کرو کہ گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو۔ اور (ایمان کا اَدنیٰ درجہ یہ ہے کہ) اگر تم اُسے نہیں دیکھتے تو (یہ پختہ یقین رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

(صحیح مسلم، 1 : 36، رقم: 908)

حضور نبی اکرم ﷺ نے تیسرے سوال کا جو جواب دیا دراصل یہ ایک قلبی کیفیت کا بیان ہے، اِسی کو تصوف کہتے ہیں۔

اللہ کو تسلیم کرنا عقیدے میں آ چکا اور اللہ کی عبادت کرنا عمل میں آ چکا ہے۔ اَب اِس حال میں عبادت کرنا کہ اللہ کا جلوہ آنکھوں کے سامنے ہو یا کم از کم اِس کیفیت میں عبادت کرنا کہ اللہ بندے کو دیکھ رہا ہو، یہ ایک ایسی قلبی کیفیت ہے جسے تاجدارِ کائنات ﷺ نے 'اِحسان' قرار دیا۔ اَب ہوا یہ کہ کلاسیفکیشن کا دَور آیا تو دِین کی مختلف شاخیں مرتب ہوئیں۔ دِین کے اِیمانی پہلو کا علمی نام ''**علم العقائد**'' ہوگیا، دِین کے عملی پہلو کا علمی نام ''**علم الاحکام**'' ہوگیا اور دِین کے باطنی و قلبی پہلو کا نام ''**علم الاخلاص**'' ہوگیا۔

قلبی، روحانی اور باطنی کیفیات عقائد یا اَحکام کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ اِن کیفیات نے جب علم کا روپ دھارا تو اُس کا نام علم الاخلاص یا علم الطریقت پڑ گیا۔ جب علماء نے ان تینوں اَجزائے دین پر مزید کام کیا، اُن کے لئے دلائل و براہین فراہم کئے، اُنہیں علم سے فن میں بدلا اور اُن پر کتابیں لکھی گئیں تو اُن پر کام کرنے والے علماء کے طبقے بن گئے۔ علم العقائد جب فن بنا تو ''**علم الکلام**'' کہلایا اور علم الکلام پر کام کرنے والے ''متکلمین'' کہلائے۔ علم الاحکام جب فن بنا تو ''**الفقہ**'' کہلایا اور اُس میں دسترس رکھنے والے ''فقہاء'' کہلائے۔ جب علم الاخلاص فن بنا تو اُسے ''**التصوف**'' کہا گیا اور اُس پر کام کرنے والے ''صوفیاء'' کہلائے۔ یہ تینوں طبقے مل کر دِین کی مِن حیثُ الکل خدمت کر رہے ہیں، لہٰذا بات یوں واضح ہوئی کہ تصوف دِین کی فروع میں سے ایک فرع ہے۔ اِیمان، اِسلام اور اِحسان دِین کی اَیسی تین جزئیات ہیں کہ اگر اُن میں سے کسی ایک کو الگ کر دیں تو دِین نامکمل رہ جاتا ہے۔

16- رہبانیت

بعض نادان لوگ تصوف کو رہبانیت قرار دیتے ہیں حالاں کہ تصوف ہرگز رہبانیت نہیں ہے۔ تصوف اِسلام کی ایک متحرک حقیقت ہے اور رہبانیت قدیم مذاہب کا ایک ایسا جامد تصور ہے جس کا اِسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

لَا رَهْبَانِيَةَ فِی الْإِسْلَامِ. (قرطبی، 18 : 87)

''اِسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے۔''

دُوسری طرف سرورِ کائنات ﷺ کا اِرشاد گرامی ہے:

الاحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ.

(صحیح بخاری، 1 : 27، رقم : 50)

''اِحسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت و بندگی یوں (اِختیار) کرو کہ گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو۔ اور (اِیمان کا اَدنیٰ درجہ یہ ہے کہ) اگرتم اُسے نہیں دیکھتے تو (یہ پختہ یقین رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

اِس حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ اپنی زبان مبارکہ سے جس شے کو ''اِحسان'' سے تعبیر فرما رہے ہیں، اُسی کو ہم اپنی زبان میں ''تصوف'' کہتے ہیں۔ اِس کی سادہ مثال نماز اور روزہ کی ہے۔ قرآن وسنت میں اُن کے لئے بالترتیب 'صلوٰۃ' اور 'صوم' کا لفظ آیا ہے، جب کہ ہم اُنہیں نماز اور روزہ کہتے ہیں۔ چنانچہ واضح ہوا کہ لفظ بدل جانے سے اُس کا اِطلاق نہیں بدل جاتا۔ تصوف کو زبردستی رہبانیت ثابت کرنا منکرینِ تصوف کا کام ہے، جو 'حدیثِ جبرئیل' میں وارِد ہونے والے حکم ''اِحسان'' کو کلیتاً ردّ کرتے ہیں۔

اِسی حدیثِ مبارکہ کے حوالے سے مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ جب آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوں تو آپ نے جسم پاک کرلیا، کپڑے پاک کر لئے، قبلہ رُخ منہ کرلیا، باجماعت نماز پڑھ لی تو شریعت اور فقہ کی رُو سے آپ کی نماز مکمل ہوگئی۔ دُوسری طرف ممکن ہے کہ وہ تصوف کی رُو سے اَبھی ادھوری ہو۔ تصوف تقاضا کرتا ہے کہ جس طرح ہمارا چہرہ کعبے کی طرف تھا اُسی طرح ہمارا دِل بھی ربِ کعبہ کی طرف ہو، ورنہ نماز

کامل نہ ہوگی۔ تصوف دراصل تکمیلِ اِیمان و اِسلام ہے۔ حسنِ نیت اور حسنِ اِخلاص کے ساتھ اِسلام کے جملہ اَوامر کو بجا لانے کا نام 'تصوف' ہے۔

17- تصوف میں اِصلاحات

آج کے اِس پڑھے لکھے دَور میں بیشتر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جس تصوف کا آپ ذِکر کرتے ہیں وہ تو صرف کتابوں میں بند ہے۔ معاشرے میں عملی طور پر جو تصوف نظر آتا ہے وہ تو محض رسوم و رواج تک محدود ہے۔ حتیٰ کہ تصوف کے نام پر بہت سی غیرشرعی رسمیں بھی جاری ہیں۔ اَیسے میں ایک عام مسلمان تصوف کو غیر اِسلامی شے سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تصوف کوئی غیر اِسلامی شے نہیں، بلکہ اَلمیہ یہ ہے کہ ہم نے تصوف کی اَصل روح کو چھوڑ کر اُسے محض رسومات کی انجام دہی تک محدود کر دیا ہے۔

ایک طویل عرصے سے سلاسلِ تصوف، خانقاہیں اور ہمارے معمولات اَز اوّل تا آخر مراسمِ تصوف کی انجام دہی میں زیادہ مشغول ہو گئے ہیں اور حقیقتِ تصوف کی اپنی تعلیمات، اپنے اُصولی اَعمال اور اَحوال کے ساتھ اُتنے زور سے اور اُتنی وسعت سے اِشاعت نہیں کی جا رہی اور اِس عمل کو ایک طوِیل زمانہ گزر گیا ہے۔ پچھلی دو تین نسلوں سے ایسا وتیرہ جاری ہے، جس سے موجودہ نسل نے تصوف کی صرف رسمی حالت عرس، حاضری مزارات وغیرہ کو دیکھا ہے اور اُسے حقیقتِ تصوف کی خبر نہیں۔ اُن کے خیال میں شاید سارا تصوف اِنہی رسومات کا مجموعہ ہے، چنانچہ وہ مطلقاً تصوف کا ہی اِنکار کر دیتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ تصوف کے نام پر رواج پانے والی رسومات میں جہاں اچھی رسوم ہیں وہاں غیر اِرادی طور پر عوامی ذوق و شوق کے تحت ناجائز رسوم بھی داخل ہو چکی ہیں۔ بہت سی بدعات خرافات بھی تصوف میں داخل ہو گئی ہیں اور گدی نشینان اِصلاح اور روک ٹوک کی فکر نہیں کر رہے۔ عوامی رَوا روِی کے تحت عرس میلے بن گئے اور مختلف علاقوں میں لوگوں کا جو ذوق چاہتا ہے وُہی کچھ تصوف کے نام پر رواج پا گیا ہے۔ ایسی جگہیں جہاں اَولیاء اللہ مدفون ہیں، وہاں کبھی عرس ہوا کرتے تھے، جن میں اُن کی تعلیمات کا بیان ہوتا تھا۔ اَب وہاں میلے ہوتے ہیں، رِیچھ کتوں کی لڑائیاں ہوتی ہیں، دنگل ہوتے ہیں اور عام ثقافتی میلوں جیسی ساری خرافات اَب وہاں تصوف کے نام پر ہوتی ہیں۔

مزارات کی تعظیم و تکریم کے لئے جو چادریں آتی ہیں، اُن کا رواج بھی سنگین نوعیت اِختیار کر گیا ہے۔ اَب کئی

میلوں دُور سے گھنگرو باندھ کر، ڈھول بجاتے ہوئے مرد و عورتیں بھنگڑے ڈالتے ہوئے آتے ہیں اور راہ گیر تماشا دیکھتے ہیں اور چادروں میں پیسے پھینکتے ہیں۔ کسی کا وضو ہوتا ہے اور نہ نماز کی پابندی۔

اَیسے قلیل مقامات بھی میرے ذاتی مشاہدے میں ہیں، جہاں جاہل لوگ مزارات پر سجدے بھی کرتے ہیں۔ تعظیماً قدم بوسی یا چوکھٹ کو چومنا تو الگ بات ہے کہ وہ جائز ہے، مگر میں نے اپنی آنکھوں سے بعض مقامات پر سجدے ہوتے دیکھے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے بعض لوگوں کو مزارات کا طواف کرتے بھی دیکھا ہے۔ میری جوانی کا طوِیل عرصہ عشاء سے فجر تک مزارات پر حاضری اور مراقبوں میں گزارا۔ یہ سب میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔

تصوف کے منکرین و مخالفین کو بدنام کرنے کے لئے چند نمونے کافی ہوتے ہیں۔ اگر ہم آج اِس کی اِصلاح نہیں کریں گے تو ہماری آنے والی نسلیں تصوف کے نام سے بھی دُور بھاگیں گی۔

اکثر مقامات اچھے ہیں، جہاں نہ صرف یہ کہ اَیسی خرافات موجود نہیں بلکہ وہاں سلاسلِ طریقت کا پرچار ہوتا ہے اور تعلیماتِ تصوف پر توجہ دی جاتی ہے۔ لیکن وہاں بھی بوجوہ صوفیاء کرام کے اَعمال، اَحوال، اَخلاق، صوفیاء کی تعلیمات اور دُروس و حلقات کے نظام پر محنت کم ہے اور رسومات پر زیادہ زور ہے۔

اگرچہ رسومات اور مراسم بھی دِین کا حصہ ہوتے ہیں۔ حج سارا مراسم کا ہی مجموعہ ہے، جنہیں مناسک کا نام دیا جاتا ہے، اُن سے اِنکار نہیں ہوتا۔ مگر جب رسومات پر توجہ زیادہ ہو جائے اور اُن کی روح پر، تعلیمات اور عملی مظاہر پر، اَعمال و اَحوال پر زور نہ رہے تو پھر نتیجہ واضح ہے کہ جن سلاسل کے ساتھ کبھی بے شمار مریدین منسلک ہوا کرتے تھے مگر اُن کی اگلی نسلیں صرف اَدب تک محدود رہیں اور مرید نہ ہوئیں۔ جب وہ جوان ہوئے تو ملنا بھی چھوڑ گئے۔

دُوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تصوف اور صوفیاء کا اِنکار کرنے والوں کے مداراس کی تعداد سوادِ اعظم کے مدارس سے کہیں زیادہ ہے اور اُن کے مدارس میں ہمارے مدارس کی نسبت علم پر محنت بھی کئی گنا زیادہ ہے۔ وہ اپنے عقیدے و مسلک کی اِشاعت کے لئے زیادہ مؤثر مبلغین تیار کرتے ہیں۔ اُن کے تبلیغی سلسلے بھی ہیں اور وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُدھر نام ہے ہمارے ہاں کام ہے۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار کی طرف جائیں تو بستی نظام الدین میں پہلی گلی میں تبلیغی جماعت کا مرکزی ہیڈکوارٹر ہے، جہاں وہ صبح و شام اپنی تقریروں میں اِعلان کرتے ہیں کہ صوفیاء کا نام اُدھر ہے کام اِدھر ہے۔

اِس وقت ضرورت ہے کہ ہم تصوف کی اَصل تعلیمات کی طرف لوٹ جائیں اور محض رسم و رواج تک محدود رہنے کی بجائے صوفیاءِ کرام کی اُن تعلیمات کو فروغ دیں، جن کی بدولت اَوائل دور میں برعظیم پاک و ہند کے کروڑوں لوگوں کو اِیمان کا نور نصیب ہوا تھا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1080)

18- اِحتراماً بزرگوں کو پشت نہ کرنا، اُن کے ہاتھ یا پاؤں چومنا

اللہ ربّ العزت کے نیک بندوں کا اَدب و اِحترام نہ صرف جائز بلکہ ایک مستحسن اَمر ہے۔ قرآن و حدیث میں کوئی نص اِس کی حرمت و ممانعت پر موجود نہیں ہے۔ اِس عمل کو شرک جیسے قبیح گناہ سے ملانا محض جہالت ہے۔ یہ اَیسا عمل ہے جو کسی طور بھی داخلِ عبادت نہیں۔

عبادت اُس اِنتہا درجے کی تعظیم کو کہتے ہیں، جس میں 'تذلل' ہو۔ جب کہ کسی بزرگ شخصیت کے سامنے آدمی پشت کئے بغیر پیچھے ہٹ گیا، یا اَدباً اُس کے ہاتھ یا پاؤں چوم لئے، یا کوئی بزرگ اُستاد آیا ہے تو آپ اِحتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ سارے اَدب و محبت کے عوامل ہیں، جنہیں زبردستی عبادت سے ملاتے ہوئے شرک قرار دینا بدنیتی کے سوا کچھ نہیں۔

بنیادی بات ذہن نشین رکھیں کہ شرک اُس وقت قرار پاتا ہے جب کسی اِنسان کے لئے وہ عمل کیا جائے جو صرف اللہ ربّ العزت کے لئے خاص ہو۔ جو عمل اللہ کے لیے خاص نہیں، وہ داخلِ عبادت قرار نہیں پا سکتا۔

اَللہ ربّ العزت کے برگزیدہ بندوں کو پشت نہ کرنے کے علاوہ اُن کے ہاتھ پاؤں چومنا بھی اِسی ضمن میں آتا ہے اور یہ صحابہ کرامؓ کی سنت سے ثابت ہے۔ اِختصار کے پیشِ نظر یہاں صرف ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

لَمَّا قَدِمنَا المَدِينَةَ فَجَعَلنَا نَتَبَادَرُ مِن رَوَاحِلِنَا، فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَرِجلَه.

(سنن ابوداؤد، ۴:۳۵۷)

''جب ہم مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو اپنی سواریوں سے کود کر حضور نبی اَکرم ﷺ کے دستِ اَقدس اور پاؤں مبارک چومنے لگے۔''

تاجدارِ کائنات ﷺ کے قدمینِ مبارکہ چومنے کے حوالے سے صحاحِ ستہ سے پیش کردہ مذکورہ حدیثِ مبارکہ درجنوں طرق سے مختلف کتبِ حدیث میں وارِد ہوئی ہے، جو اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اَللہ کے برگزیدہ بندوں کے ہاتھ پاؤں چومنا نہ صرف جائز بلکہ سنتِ صحابہ ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 894)

19- ملت کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے عشق رسول ﷺ کی اہمیت

تا شعارِ مصطفٰی ﷺ از دَست رفت
قوم را رَمزِ بقاء اَز دَست رفت

زوالِ کے اُس دور میں جب علامہ اِقبالؒ ملتِ اسلامیہ کے عروقِ مُردہ میں عشقِ مصطفٰی ﷺ کے پیغام کے ذریعے نئی رُوح پھونک کر اُسے تباہی اور ہلاکت سے بچانے کی فکر میں تھے، تب اِسلام دُشمن اِستعماری طاقتیں منظّم ہو کر مسلمانوں کے دِلوں میں عشقِ رسالت کی شمع بجھا دینے کا سوچ رہی تھیں۔ اُنہیں معلوم تھا کہ اگر مسلمانوں کے دِل رِسالت مآب ﷺ کے عشق و محبت سے خالی ہوگئے تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت بھی اُنہیں اپنی کھوئی عظمتِ رفتہ واپس دلا سکتی ہے اور نہ اِصلاح وتجدید کی ہزاروں تحریکیں اُنہیں اپنی منزلِ مراد تک پہنچا سکتی ہیں۔ یہ محض ایک مفروضہ یا خیالِ خام نہیں بلکہ ایک روشن حقیقت ہے۔ مغربی اِستعمار کی اِسی سازش کی طرف علامہ اِقبالؒ نے اِشارہ فرماتے ہوئے کہا تھا:

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمد ﷺ اُس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیّلات
اِسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

چنانچہ اِسی مقصد کے تحت اہلِ عرب نے یہ فکری میدان اِسلامی تحقیق کے نام پر بعض متعصّب یہودی اور عیسائی مستشرقین کے سپرد کر دیا، جنھوں نے اِسلام کی تعلیمات اور بانی اِسلام ﷺ کی شخصیت اور سیرت پر اِس اَنداز سے تحقیق کر کے لاتعداد کتب تصنیف کیں کہ اگر ایک خالی الذہن سادہ لوح مسلمان نہایت نیک نیتی کے ساتھ بھی اُن تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے تو اُس کے ذِہن میں رسولِ اکرم ﷺ کے تصور سے دُور کا بھی واسطہ باقی نہیں رہتا۔ اُن

مستشرقین نے جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ذہنوں کو مسموم کرنے کا محاذ سنبھال رکھا ہے، جس سے وہ اپنے مطلوبہ نتائج کافی حد تک حاصل کر رہے ہیں۔ دُوسری طرف بعض مسلم مفکرین ہی کے ہاتھوں نادانستہ طور پر یہی کام سرانجام پانے لگا۔ وہ اس طرح کہ جب دَورِ جدید میں مسائلِ حیات بدلے اور نئے نئے تقاضوں نے جنم لیا تو کئی مفکرین نے اِسلام کی تعلیمات اور حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں کو اِس اَنداز سے پیش کرنا شروع کیا کہ عصرِ حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کیا جا سکے۔ ہرچند کہ یہ علمی کوششیں نہ صرف درست تھیں بلکہ تقاضائے وقت کے پیش نظر ضروری بھی تھیں لیکن اُن مفکرین کے سامنے مسلمانوں کو درپیش مسائل کا صرف ایک ہی رُخ رہا اور دُوسرا نظروں سے اوجھل رہا۔

آپ ﷺ کی مقدس شخصیت کے دو پہلو ہیں، جو اپنی جگہ علیحدہ اور مستقل بھی ہیں اور لازم و ملزوم بھی۔ اُن میں سے کسی ایک پہلو کو بھی نظر اَنداز کرنا اِسلام کے لئے سخت نقصان دِہ ثابت ہوسکتا ہے۔

حسی پہلو حضور ﷺ کے بشری و اِنسانی اَوصاف و کمالات پر مشتمل ہے، جس کے مطالعہ سے حضور ﷺ کی شخصیت کی اَیسی جامع و مانع تصویر سامنے آتی ہے کہ اِنسانِ کامل اور اُسوۂ حسنہ کا صحیح نقشہ ذِہن پر رقم ہوجاتا ہے۔ اس سے حضور ﷺ کے حسنِ اَخلاق، حسنِ معیشت، شجاعت و بسالت، صبر و تحمل، صداقت و اَمانت، جود و سخا، رحمت و موَدّت، تدبر و بصیرت، عدالت و فقاہت جیسے عظیم خصائل و اَوصاف کا علم حاصل ہوتا ہے اور ہر قاری آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو ایک عظیم مصلح و رہنما، مدبر و منتظم، عادِل قاضی و منصف، مثالی قائد و سپہ سالار، دیانت دار تاجر، مثالی شہری، معیاری خاوند اور سربراہِ خاندان، کامیاب سربراہِ ریاست غرض یہ کہ ایک عظیم اِنسان کے رُوپ میں دیکھتا ہے۔

سیرت النبی ﷺ کے اِس پہلو کی اَہمیت و اِفادیت اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن بعض مسلم مفکرین و مصنفین نے جناب رسالت مآب ﷺ کے فضائل و شمائل کے بیان کو صرف اِسی حسی پہلو تک محصور کر دیا اور وہ رُوحانی و معجزاتی پہلو جو حضور ﷺ کے بلند و بالا کمالاتِ نبوت اور فضائل و شمائل پر مشتمل تھا اُسے یہ کہہ کر نظر اَنداز کر دیا گیا کہ جدید تعلیم یافتہ نسل کا اُن معاملات سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو محض صوفیاء اور عرفاء کے لئے ہے۔ مزید برآں اُن ظاہری فضائل کا بیان بھی عقیدت و محبت کی چاشنی اور تعظیم و تکریم کے رنگ سے اِس بناء پر عارِی رکھا گیا کہ یہ آدابِ تحقیق کے منافی ہے لہٰذا اِس غلو سے اپنی تحریروں کو مبرا ہی رکھنا چاہیئے، نتیجتاً وہ قلبی عقیدت اور والہانہ اُنس و محبت جو رفتہ رفتہ عشق میں بدل جایا کرتی ہے اِس نسل کے دِلوں سے ناپید ہوگئی۔ عشق کی کیفیت جس کا تعلق عقل و خرد سے نہیں خالصتاً دِل کی دُنیا سے ہوتا ہے بالخصوص دُوسرے پہلو کے ساتھ وابستہ تھی، جسے جدید دَور کے تقاضوں کے پیشِ نظر غیر ضروری سمجھ کر ترک

کر دیا گیا تھا۔ محض حسی پہلو کے فضائل کے بیان سے فکری و نظری مباحث کی صورت میں تعقل پسند طبقے کے اعتراضات کا جواب دِیا جا سکتا ہے، حضور ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کو نئے سے نئے حالات میں قابلِ عمل اور نتیجہ خیز بھی ثابت کیا جا سکتا ہے، مگر مسلمانوں کے دِلوں میں ختمی مرتبت حضور ﷺ کے عشق و محبت کا چراغ روشن نہیں کیا جا سکتا۔ اُن کے سینوں میں آقائے دوجہاں کی دِیوانہ وار اُلفت وعقیدت کا وہ طوفان بپا کیا نہیں جا سکتا جس کی قوت سے وہ کفر و طاغوت کے خلاف ٹکرا جائیں اور ناموسِ دینِ مصطفوی ﷺ کی خاطر اِس طرح اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر دیں کہ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی حقیقی تصویر دُنیا کے سامنے آ جائے۔

اِس دَور میں اِحیائے اِسلام اور ملت کی نشاۃِ ثانیہ کا مقصد لئے جس قدر علمی وفکری تحریکیں منصۂ شہود پر آئی ہیں اُن سب کی تعلیمات سے جو تصور مسلمانوں کی نوجوان نسل کے ذِہنوں میں پیدا ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ اِسلام کو بحیثیت نظامِ حیات قبول کر لینا چاہیئے اور حضور ﷺ کی سیرت و تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہی کمالِ اِیمان اور محبتِ رسول ﷺ ہے۔ اس اِتباع سے جناب رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات سے خاص قسم کا قلبی اور جذباتی لگاؤ جسے والہانہ عشق و محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کی علامات و اَحوال سے اَہلِ دِل بخوبی واقف ہیں، مقصودِ اِیمان ہے نہ تعلیمِ اِسلام، بلکہ یہ جاہلانہ شخصیت پرستی کی ایک صورت ہے جو توحیدِ خالص کے منافی ہے۔

اِس نام نہاد روشن خیالی سے ہماری حیاتِ ملّی پر جو مُضر اَثرات مرتب ہوئے وہ محتاجِ بیان نہیں ہیں۔ ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ عشقِ رسول ﷺ کے اَصل تصور کو قرآن و حدیث اور سنتِ صحابہؓ کے آئینے میں اِس طرح اُجاگر کیا جائے کہ آج کی نوجوان نسل...... جو تلاشِ حقیقت میں سرگرداں ہے...... اِس آفاقی حقیقت سے باخبر ہوکر پھر سے اپنے آقا و مولا ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کا وہ تعلق اُستوار کر لے کہ اُس کی نظروں کو دانشِ افرنگ کے جلوے کبھی خیرہ نہ کر سکیں اور اُنہیں دینِ حق کی اِس کامل تعبیر کی صحیح معرفت نصیب ہو، جسے علامہ اِقبالؒ نے یوں بیان کیا ہے:

بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دِیں ہمہ اُوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

''خود کو مصطفیٰ ﷺ (کی دہلیز) تک لے جاؤ کہ دینِ کامل وُہی (ذات) ہے۔ اگر اُن تک نہ پہنچ پائے تو (تمہاری) سب (کوششیں محض) دین دشمنی ہیں۔''

20- تحریکِ منہاج القرآن کے اَغراض و مقاصد

تحریکِ منہاج القرآن کا آغاز 1980ء میں ہوا اور وہ اُس وقت سے دعوت و تبلیغِ حق، اِصلاحِ اَحوالِ اُمت، تجدید و اِحیائے دِین اور ترویج و اِقامتِ اِسلام کے مقاصد پر عمل پیرا ہے۔

سب سے پہلے دینی و مذہبی کام کے ضمن میں اِسلامی تعلیمات اور رُوحانی اَقدار کے فروغ کے ساتھ ساتھ اِسلام کی عملی تعبیر کے ذریعہ معاشرے کو ایک زندہ حقیقت کے روپ میں بدلنے پر محنت کی جا رہی ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ 'اِسلام کی سائنسی تعبیر' اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان مکالمہ کے کلچر کو فروغ دیتے ہوئے 'بین المذاہب رواداری' کے فروغ میں بھی تحریک اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

دُوسرے نمبر پر تعلیمی پہلو ہے، جس کے تحت 'منہاج یونیورسٹی' کے نام سے ایک ٹاپ لیول کی چارٹرڈ یونیورسٹی قائم کی گئی، جس میں تمام مروجہ مضامین بشمول کمپیوٹر سائنسز اور مینجمنٹ سائنسز بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ مذہبی حوالے سے اُس کا اِلحاق مصر کی جامعہ الازہر کے ساتھ بھی ہے۔ تعلیمی پہلو میں دُوسرا اہم قدم 'منہاج ایجوکیشن سوسائٹی' کے تحت ملک کے طول و عرض میں تمام صوبوں اور شہروں میں چھ سو سے زائد سکولوں کا قیام ہے، جہاں بچوں اور بچیوں کو سرکاری ایجوکیشن بورڈز کی طرف سے طے شدہ نصاب کے ساتھ ساتھ اَخلاقی و رُوحانی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اِنگلش میڈیم سکولوں کا الگ نظام بھی موجود ہے۔ اُن تمام سکولوں کے لئے مرکزی سطح پر ایک اِمتحانی نظام بھی بنایا ہے اور تمام سکولوں کے نتائج 'منہاج ایجوکیشن سوسائٹی' کی ویب سائٹ پر بھی شائع کئے جاتے ہیں۔

تیسرے نمبر پر فلاحی پہلو ہے، جس کے تحت 'منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن' سرگرمِ عمل ہے۔ قدرتی آفات کے متاثرین کی بحالی، یتیم بچوں کا اِدارہ آغوش، نادار بچیوں کے لئے جہیز، اِجتماعی شادیاں، غریب طلبہ کے لئے سپانسر شپ سکیم اور اِس قسم کے کئی پراجیکٹس پر بیک وقت کام جاری ہے۔

اِس کے علاوہ تحریکِ منہاج القرآن کا ایک بھرپور بین الاقوامی نیٹ ورک موجود ہے۔ سو کے قریب ممالک میں تنظیمات موجود ہیں، جہاں تارکینِ وطن پاکستانیوں کے علاوہ مقامی آبادی کو بھی اِسلامی تعلیمات اور تہذیب و ثقافت سے رُوشناس کرانے کے لئے کلچرل اینڈ ایجوکیشنل سنٹرز قائم کئے گئے ہیں۔ یورپی کلچر میں رہتے ہوئے بھی نئی نسل کی زِندگی میں اِسلامی حوالے سے مثبت تبدیلی عمل میں آ رہی ہے۔ پاکستان کے علاوہ اِنڈین اور بنگلہ دیشی سوسائٹی

کے لوگ بھی ہمارے مراکز سے اِستفادہ کرتے ہیں، عرب اور اَفریقی ممالک کے لوگ بھی منسلک ہیں۔

تحریکِ منہاج القرآن بین الاقوامی سطح پر اِسلام کو دِینِ اَمن کے طور پر پیش کر رہی ہے۔ مغربی میڈیا پر اِسلام کے خلاف جاری پروپیگنڈا کے باوُجود تحریکِ منہاج القرآن بجا طور پر اِسلام کا کیس ایک مثبت اَنداز سے اُجاگر کر رہی ہے۔ دہشت گردی کے خلاف فتویٰ کے ذرِیعے اِسلام کے خلاف پروپیگنڈا کو نہ صرف بند کیا گیا، بلکہ مغربی اَقوام کے غیرمسلم عوام کو پروپیگنڈا پر یقین کرنے کی بجائے اِسلام کو براہِ راست پڑھ کر سمجھنے کی ترغیب دی جا رہی ہے، جس کے خاطر خواہ نتائج نکل رہے ہیں۔ اُن مراکز میں غیرمسلم بھی آتے ہیں، حتیٰ کہ عیسائی پادری بھی آتے ہیں اور اِسلام کے حوالے سے کلیئر ہو کر جاتے ہیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: انٹرویو شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1002)

21- تحریکِ منہاج القرآن اس صدی کی تجدیدی تحریک

سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی حدیثِ مبارکہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ یَبْعَثُ لِھٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا (سنن ابوداؤد، رقم: 4291)

’’بیشک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر کسی کو اِس اُمت کے لئے دِین کی تجدید کا فریضہ دے کر بھیجے گا۔‘‘

جب دین کی قدریں پامال ہونے لگیں اور اُمت کا بڑا طبقہ گناہوں اور نافرمانیوں کی دلدل میں دھنسنے لگے، جب دین کے نام لیواؤں کو اَغیار کے طعنوں کا سامنا ہو اور اُمت کے اَحوال دِگرگوں ہو جائیں تب اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر کسی ایسی ہستی کو مبعوث کرتا ہے، جو اُن کے اَندر پھر سے نورِ اِیمان اور نورِ محبتِ رسول ﷺ پیدا کرے۔ اللہ ربّ العزت نے فرمایا کہ مبارک ہو میں نے محبوب کی اُمت کے لئے یہ بندوبست بھی ہر صدی کے سرے پر کر دیا ہے کہ ہر صدی کے شروع میں دِین کو زِندہ کرنے والے لوگوں کو بھیجا جائے گا۔ ہر صدی کے شروع میں ایک شخص آئے گا، جو مٹی ہوئی اَقدار کو پھر سے بحال کر دے گا، دِین کے بھولے بسرے سبق کو پھر سے یاد دِلا دے گا، دِین کی راہ سے ہٹتی ہوئی اُمت کو پھر سے دِین کی راہ پر گامزن کر دے گا، پژمردہ رُوحوں کے اندر تازگی ڈال دے گا، آقا ﷺ سے کٹے ہوئے تعلق کو جوڑ دے گا، اللہ کی بندگی کے سبق کو تازہ کر دے گا۔ علماءِ کرام نے کہا کہ ہر صدی کے شروع میں جو مجدد آئے گا وہ مجدد کی ذات بھی ہو گی اور وہ پوری جماعت بھی ہو گی، جس کے ذرِیعے اللہ تعالیٰ تجدیدِ دین کا

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

کام لے گا۔ اُس جماعت کے سارے کارکن تجدید کے کام میں شریک ہوں گے، اور وہ کارکن جو اُس تجدید کے کام میں شریک ہوں گے اُن سب کو جو برکت اور ثواب ملے گا وہ تجدید کا ثواب ہوگا۔ اُن کے اِیمان کی حفاظت بھی ہوگی اور وہ اُمت کے اِیمان کی حفاظت کا باعث بھی بنیں گے اور اُن کی خدمات کے سبب اللہ ربّ العزت کے عذاب کے ٹل جانے کی سبیل بھی پیدا ہوگی۔

تاریخ گواہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں جب عالم اِسلام بالعموم اور اَہلِ بغداد بالخصوص اَخلاقی و رُوحانی زوال کا شکار تھے اور علماءِ کرام مذہبی موشگافیوں و مناظروں میں کھو چکے تھے تو اَللہ ربّ العزت نے سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کو چھٹی صدی ہجری کے لئے مجدد بنا کر بھیجا، جن کی وِلادت باسعادت 471ہجری میں ہوئی۔

دسویں صدی ہجری میں جب ہندوستان کے بادشاہ اکبر نے اپنی ہندو بیویوں کے زیرِاثر اِسلام کو ہندومت میں ضم کرنے کے لئے 'دینِ الٰہی' اِیجاد کیا اور اُس کے اکثر وزراء اور معاشرے کی مؤثر شخصیات اِسلام ترک کر کے 'دینِ الٰہی' کو اَپنانے لگیں تو اللہ ربّ العزت نے اُس کے مقابلے کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو گیارہویں صدی ہجری کے لئے مجدد بنا کر بھیجا، جن کی وِلادت باسعادت 971ہجری میں ہوئی۔

اِسی طرح چودھویں صدی ہجری میں جب دَورِ فتن کا آغاز ہوچکا تھا، دِینی اور روحانی قدریں دُھندلا رہی تھیں، عقائد مسخ ہورہے تھے، اِنتہا پسندی بڑھ رہی تھی، اِیمان متزلزل ہورہے تھے اور اِسلام کو مساجد اور خانقاہوں میں بند کرنے کی سازشیں زور پکڑ رہی تھیں تو اللہ ربّ العزت نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو پندرہویں صدی ہجری کے لئے مجدد بنا کر بھیجا، جن کی وِلادت باسعادت 1371ہجری (19فروری 1951) کو ہوئی اور اُنہوں نے اگلی صدی کے رأس پر (یعنی 1400ہجری بمطابق1980ء کو) اِدارہ منہاج القرآن کی بنیاد رکھ کر اپنی تجدیدی کاوِشوں کا آغاز کر دیا، اور صرف 30سال کے عرصہ میں ایسے ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ عقل دَنگ رہ جاتی ہے۔ یوں پندرہویں صدی ہجری میں تجدید دین کا فریضہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے ذِمہ ہے اورتحریکِ منہاج القرآن اِس صدی کی تجدیدی تحریک ہے۔

اِس تحریک کے آغاز سے قبل ہرسُو بدعقیدگی کا غلبہ تھا، آپ ﷺ کی شان پر گستاخی تھی، حضور ﷺ کے عشق ومحبت کا نام لینا بدعت اور شخصیت پرستی تصور ہوتا تھا، حضور ﷺ کا میلاد بدعت تصور ہوتا تھا، آقا کی نعت حضور کے ترانے پڑھنا، حضرت حسان بن ثابتؓ کا طریق، صحابہؓ کی سنتیں، سب بدعت قرار دی جا رہی تھیں، حضور کے نام کے

نعرے بلند کرنے کی جرأت نہیں تھی، عقائد میں ہر صحیح عقیدے پر شرک و بدعت کی تہمتیں تھیں، صحیح العقیدہ لوگ علم وعمل میں کمزور ہونے کی وجہ سے دب گئے تھے اور طعنہ دینے والے چھا گئے تھے، صحیح العقیدہ لوگ چھپتے پھرتے تھے اور اُن میں دفاع کے لئے جرأت نہ تھی، قرآن کا علم کم ہو گیا تھا اور محض حکایتیں بیان ہونے لگی تھیں، صرف کرامتوں اور حکایتوں کے بیان پر زور تھا، قرآن و حدیث کی دلیل کم ہو گئی تھی، بدعقیدہ لوگ سمجھتے تھے کہ وُہی قرآن و سنت کے وارِث ہیں اور صحیح العقیدہ لوگوں کو اُن کی اپنی کمزوریوں کی وجہ سے قرآن و سنت سے دُور جاہل تصور کیا جانے لگا تھا۔

تحریکِ منہاج القرآن کی شرق تا غرب بیس پچیس سال کی جدوجہد سے وہ لوگ جو میلاد کو بدعت کہتے تھے وہ خود میلاد کے نام سے ربیع الاول میں کانفرنس کرتے ہیں، جو نعرۂ رسالت کو بدعت کہتے تھے وہ اَب خود نعرۂ رسالت لگاتے ہیں، جو حضور ﷺ کی نعت خوانی کو بدعت کہتے تھے وہ آج اسٹیج پر نعت خوانی کرتے ہیں، اِس محنت سے صحیح العقیدہ لوگ پھر سے آگے نکل گئے اور وہ دِفاعی پوزیشن میں چلے گئے، الحمدللہ عقیدۂ صحیحہ کو اِتنا عروج، قوت، عظمت اور فروغ ملا کہ اَب دُوسرے سر چھپاتے پھرتے ہیں اور اُن کے پاس سوائے تہمت لگانے کے جواب دینے کا کچھ نہیں، عرب وعجم میں جواب دینے والا کوئی نہیں، حق کو ردّ کرنے والا اَب کوئی نہیں، حق نکھر کر اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گیا، اَب گلی گلی کوچے کوچے میں میلاد کی محفلیں ہیں، جن میں ہزاروں لاکھوں لوگ شریک ہوتے ہیں، شرق تا غرب جب میلاد کا موسم آتا ہے ایسا لگتا ہے کہ جیسے بہار میں ہر طرف پھول کھل جاتے ہیں، ہر گلی میں حضور ﷺ کے میلاد کے پھول کھلتے ہیں۔ ذرا بیس پچیس سال پیچھے جھانک کر دیکھیں کہ کیا حال ہو گیا تھا، محفلیں اُجڑ گئی تھیں، اَب اَلحمدللہ ردّ کوئی نہیں کرتا، علمی طور پر خاموشی ہو گئی، حضور ﷺ کے عشق و محبت کی نسبت کو قوت مل گئی، کتب کے ذریعے علمی قوت ملی، سمندر کی طرح مواد ملا، ہر موضوع پر کتابیں ہیں اور ہر کتاب میں قرآن و حدیث ہی ہے کوئی تیسری بات نہیں، دُنیا کا کوئی شخص اِن دلائل کو ردّ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا، ہر مسئلہ پر قرآن و حدیث کی نص، آقا کی اُمت کو عقیدۂ صحیحہ کے لئے علم صحیح میسر آ گیا۔

قرآن و سنت کے علمی دلائل کے ذریعہ عقیدۂ صحیحہ کے فروغ کے ساتھ ساتھ رُوحانی ذوق کی بھی تجدید ہوئی، اِصلاحِ اَحوال اُمت کا کام ہوا، پچھلے بیس پچیس سال میں جھانک کر دیکھیں، اِتنے ہزاروں کی تعداد میں کہاں لوگ اِعتکاف بیٹھتے تھے، تحریکِ منہاج القرآن کے پوری دُنیا کے مراکز میں جتنے جوان، جتنی عورتیں اور مرد کثرت سے اِعتکاف بیٹھتے ہیں رُوئے زمین پر کسی اور کے ہاں مثال نہیں، رُوحانیت کا ذوق زِندہ ہو گیا، خلوت و عزلت کا ذوق

زِندہ ہو گیا، روحانی تربیت کا ذوق زِندہ ہو گیا، اللہ سے تعلق جوڑنے کے زمانے پھر آ گئے، موسم سہانے پھر آ گئے، اللہ کے عشق و محبت کے ترانے آ گئے، تصوف اور سلوک کی اَصل روح کے ساتھ اُس کی تعلیم عام ہونے لگی، لوگوں کا شعور بیدار ہونے لگا۔

توحید کا تصور نکھرا، شرک و بدعت کے جھوٹے اِلزام ردّ ہوئے، رسالت کی عظمت کا تصور نکھرا، تصوف و سلوک کا تصور نکھرا، اَدبِ صحابہؓ و محبتِ اَہلِ بیتؑ کو اِس تحریک نے یکجا کر دیا، خارجیت کے زیرِاثر اُمت میں پھوٹ پڑ گئی تھی، ٹکڑے ہو گئے تھے اور خارجیوں کے ڈر سے اَہلِ بیتؑ کی عزت اور اُن کا نام لینے سے لوگ ڈر گئے تھے، اَیسا ماحول بن گیا تھا کہ جو اَہلِ بیتؑ کا نام لیتا وہ شیعہ کہلاتا، ایک اَیسا ماحول بنا دیا گیا تھا کہ لوگ خارجیت کے اَثرات کے تحت ڈر گئے تھے، تحریک نے خوف و خطر کے اِس میدان کو پار کیا اور دوبارہ جرأت کے ساتھ حضور ﷺ کے اَہلِ بیتؑ کے ساتھ تعلق کو پھر زِندہ کر دیا، مگر اِس طرح کہ صحابہ کرامؓ کی عزت بھی اُسی طرح بلند رہے، صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیتؑ کی نسبت کو یکجا کیا، اَولیاء کی نسبت کو یکجا کیا، اَولیاء کی تعلیمات کو اَصل رُوح کے ساتھ پھر سے زندہ کیا۔

اِسی طرح تحریکِ منہاج القرآن کی کاوِشوں سے نوجوان نسل کے حالات بدلے، اُن کے ذِہن کے تقاضے پورے کیے، اُن کے قلب و رُوح کے تقاضے پورے کیے، اِسلام کی سائنسی تعبیر پیش کی، اِسلام کی رُوحانی تعبیر پیش کی، اِسلام کی عملی تعبیر پیش کی، اِسلام کا نفسیاتی پہلو اُجاگر کیا، اِسلام کے تصور کی فلسفیانہ تشریح کی، سوشل کلچرل پہلو سے اِسلام کا تصور پیش کیا، قدیم اور جدید کو یکجا کیا، جس طرح کا طلب گار آیا اُسے اِس دسترخوان پر وُہی ڈش مل گئی، جو عقل کے راستے سے دِین سمجھنا چاہتا تھا اُس کے لئے عقل کی نہریں رواں ہیں، جو دِل کے راستے سے سمجھنا چاہتا تھا اُس کے دِل کے چشمے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے کھول دیئے، جو عملی طریق سے دین کو سمجھنا چاہتا تھا اُس کے لئے عملی نمونے دے دیئے، جو ذوق و شوق سے سمجھنا چاہتا تھا اُس کے لئے ذوق و شوق کے منابع قائم کر دیئے، دعوت اِلیٰ القرآن کے مراکز بن گئے، پورے ملک میں بیک وقت دروسِ قرآن کے چار سو حلقات ہو رہے ہیں، عورتوں کے الگ مردوں کے الگ، گوشہ درود قائم ہو گئے، چوبیس گھنٹے ایک منٹ اِنقطاع کے بغیر تاجدارِ کائنات ﷺ پر درودِ پاک پڑھا جانے لگا، ملائکہ کی سنت زمین پر عام کر دی گئی۔

تحریکِ منہاج القرآن سے یہ سب کام اللہ اور اُس کے رسول نے لیا، ہم تو بس ناکارہ لوگ ہیں، ہم تو بس سگ تھے حضور نبی اکرم ﷺ کے اور اُنہوں نے جو چاہا اپنے سگوں سے کام لیا، مولا نے اپنے عاجز گناہ گار بندوں

سے جو چاہا کام لے لیا، لینے والا کرنے والا سب وہ ہے، مگر مبارک باد ہے تحریکِ منہاج القرآن کے کارکنوں کے لئے کہ اللہ نے اِس کام کے لئے اُنہیں چنا اور یہ شرف اُن کے حصے میں آیا، اِس صدی میں پورے خطے میں دِین کی تجدید تحریکِ منہاج القرآن کے ذرِیعے ہو رہی ہے، اور پھر اِس کا فیض صرف پاکستان پر ہی نہیں بلکہ ہندوستان اور بنگلہ دیش تک بھی پہنچا، صرف عجم تک ہی نہیں بلکہ اَب عالمِ عرب بھی اِس سے فیض پا رہا ہے، اور مغربی دُنیا کے نوجوانوں کے عقائد کی اِصلاح ہوئی، دِین سے دُور بھاگنے والے پلٹ کے واپس دِین کی طرف آ گئے۔ الحمدللہ

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1294)

22- دہشت گردی

گزشتہ کئی سالوں سے دہشت گردی کی اَذِیت ناک لہر نے اُمتِ مسلمہ کو بالعموم اور پاکستان کو بالخصوص بدنام کر رکھا ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں مسلمان مجموعی طور پر دہشت گردی کی مذمت اور مخالفت کرتے ہیں اور اِسلام کے ساتھ اُس کا دُور کا رشتہ بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں، وہاں کچھ لوگ اُس کی خاموش حمایت بھی کرتے دِکھائی دیتے ہیں۔ یہ لوگ اُس کی کھلم کھلا مذمت و مخالفت کی بجائے موضوع کو خلطِ مبحث کے ذریعے اُلجھا دیتے ہیں۔ دہشت گردی کے قومی، علاقائی اور بین الاقوامی اَسباب میں عالمی سطح پر بعض معاملات میں مسلمانوں کے ساتھ نااِنصافی، بعض خطوں میں بالادست طاقتوں کے دُہرے معیارات اور کئی ممالک میں شدت پسندی کے خاتمے کے لئے طوِیل المیعاد جارِحیت جیسے مسائل بنیادی نوعیت کے ہیں۔

اِسی طرح دہشت گردوں کی طرف سے مسلح فساد انگیزی، اِنسانی قتل و غارت گری، دُنیا بھر کی پُراَمن اِنسانی آبادیوں پر خودکش حملے، مساجد، مزارات، تعلیمی اِداروں، بازاروں، سرکاری عمارتوں، ٹریڈ سنٹروں، دِفاعی تربیتی مرکزوں، سفارت خانوں، گاڑیوں اور دیگر پبلک مقامات پر بم باری جیسے اِنسان دُشمن، سفاکانہ اور بہیمانہ اِقدامات روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ یہ لوگ آئے دِن سیکڑوں ہزاروں جانوں کے بے دریغ قتل اور اِنسانی بربادی کے عمل کو جہاد سے منسوب کرتے ہیں اور یوں پورے اِسلامی تصورِ جہاد کو خلط ملط کرتے رہتے ہیں۔ اِس سے نوجوان نسل کے ذِہن بالخصوص اور کئی سادہ لوح مسلمانوں کے ذِہن بالعموم پراگندہ اور تشکیک و اِبہام کا شکار ہو رہے ہیں، کیوں کہ اَیسے اِقدامات کرنے والے مسلمانوں میں سے ہی اُٹھتے ہیں، اِسلامی عبادات و مناسک کی انجام دہی بھی کرتے ہیں

اور اُن کی ظاہری وضع قطع بھی شریعت کے مطابق ہوتی ہے۔ لہٰذا عام مسلمان ہی نہیں بلکہ بیشتر علماء اور دانش وَر بھی ایک مخمصے میں مبتلا ہیں کہ اَیسے اَفراد اور گروہوں کے اِس طرح کے طرزِ عمل، طریقہ کار اور اِقدامات کے بارے میں شرعی اَحکامات کیا ہیں؟

علاوہ ازیں مغربی دُنیا میں میڈیا عالمِ اِسلام کے حوالے سے صرف شدت پسندی اور دہشت گردی کے اِقدامات و واقعات کو ہی highlight کرتا ہے اور اِسلام کے مثبت پہلو، حقیقی پُر امن تعلیمات اور اِنسان دوست فلسفہ و طرزِ عمل کو قطعی طور پر اُجاگر نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ خود عالمِ اِسلام میں دہشت گردی کے خلاف پائی جانے والی نفرت، مذمت اور مخالفت کا سرے سے تذکرہ بھی نہیں کرتا۔ جس کے نتیجے میں منفی طور پر اِسلام اور اِنتہاء پسندی و دہشت گردی کو باہم بریکٹ کر دیا گیا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ اِسلام کا نام سنتے ہی مغربی ذِہنوں میں دہشت گردی کی تصویر اُبھرنے لگتی ہے۔ اِس سے نہ صرف مغرب میں پرورش پانے والی مسلم نوجوان نسل اِنتہائی پریشان، متذبذب اور اِضطراب انگیز ہیجان کا شکار ہے بلکہ پورے عالمِ اِسلام کے نوجوان اِعتقادی، فکری اور عملی لحاظ سے متزلزل اور ذِہنی اِنتشار میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

اِن تمام حالات کے نتیجے میں دو طرح کے ردِ عمل اور نقصانات پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک نقصان اِسلام اور اُمتِ مسلمہ کا اور دُوسرا نقصان پوری اِنسانیت کا۔ اِسلام اور اُمتِ مسلمہ کا نقصان تو یہ ہے کہ عصرِ حاضر کی نوجوان نسل، جو اِسلام کی حقیقی تعلیمات سے شناسا نہیں، وہ میڈیا سے متاثر ہو کر اِنتہا پسندی اور دہشت گردی کو (معاذ اللہ) دِین و مذہب کے اَثرات یا دِینی اور مذہبی لوگوں کے رویوں کی طرف منسوب کر دیتی ہے اور یوں اپنے لئے لادِینیت یا دِین گریزی کی راہ میں بہتری سمجھنے لگتی ہے۔ یہ غلط طرزِ فکر اُسے رفتہ رفتہ بے دِین بنا رہا ہے جس کا نقصان پوری اُمتِ مسلمہ کی اگلی نسلوں کو ہو گا۔ اِس کے برعکس دُوسرا نقصان، عالمِ مغرب اور بالخصوص پوری اِنسانیت کے لئے یہ ہے کہ مذکورہ بالا پالیسیوں اور منفی سرگرمیوں کا کئی مسلم نوجوانوں پر منفی ردِ عمل ہو رہا ہے۔ وہ اِسے عالمِ مغرب کے بعض مؤثر حلقوں کی اِسلام کے خلاف منظّم سازِش اور عداوت قرار دے رہے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ ردِ عمل کے طور پر راہِ اِعتدال (moderation) چھوڑ کر نفرت و اِنتقام کا جذبہ لے کر 'اِنتہاء پسند' (extremist) اور پھر 'شدت پسند' اور پھر بالآخر 'دہشت گرد' بن رہے ہیں یا بنائے جا رہے ہیں۔ گویا مغربی پالیسیوں کی وجہ سے دہشت گردوں کو مزید نئی کھیپ اور نئی اَفرادی قوت میسر آتی جا رہی ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہوتا دِکھائی دے رہا ہے۔ سو دونوں صورتوں میں

نقصان عالمِ اِنسانیت کا بھی ہے اور عالمِ اِسلام کا بھی۔

مزید یہ کہ اَیسے حالات عالمِ اِسلام اور عالمِ مغرب کے درمیان تناؤ اور کشیدگی میں مزید اِضافہ کرتے جا رہے ہیں اور دہشت گردی کے فروغ سے مسلم ریاستوں میں مزید دخل اَندازی اور اُن پر دباؤ بڑھائے جانے کا راستہ بھی زیادہ سے زیادہ ہموار ہوتا جا رہا ہے۔ پھر یہ خلیج عالمی سطح پر اِنسانیت کو نہ صرف بین المذاہب مخاصمت کی طرف دھکیل رہی ہے بلکہ عالمی اِنسانی برادری میں اَمن وسکون اور باہمی برداشت و رواداری کے اِمکانات بھی معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔

آج مسلم دُنیا کے نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد دہشت گردوں کے چنگل میں پھنس چکی ہے یا پھر خودکش بننے کے لیے تیار ہو چکی ہے۔ دہشت گردوں کا قلع قمع کرنا، اِسلامی حکومتوں کا دِینی فریضہ ہے، خواہ اِس کام کے لیے اُنہیں فوجی آپریشن کرنا پڑیں۔ حکومت اُس وقت تک فوجی کارروائی کو نہ روکے جب تک دہشت گردوں کا مکمل خاتمہ نہ ہو جائے۔ دینِ اِسلام کے دُشمن اور خارجی عناصر کو فوری مکمل قوت کے ساتھ کچل دیا جائے، جس سے دہشت گردی جڑ سے ختم ہو جائے گی۔

(برائے مزید مطالعہ ملاحظہ ہو تصنیف شیخ الاسلام: ''دہشت گردی اور فتنہ خوارج'')

23- دہشت گردی کے اَسباب

دہشت گردی کا سب سے پہلا زینہ 'تنگ نظری' ہے، جب بندہ صرف اپنی رائے کو اِسلام کی رائے قرار دے اور اُس رائے سے اِختلاف کرنے والوں کو کافر ومشرک قرار دے تو وہ اُس راستے کا مسافر بن جاتا ہے جس کی منزل دہشت گردی ہے۔ تنگ نظری کا تعلق صرف اِسلام سے نہیں، یہ رویہ ہر مذہب کے ماننے والوں میں ملتا ہے۔ اِسلام کی تعلیمات تو تنگ نظری سے منع کرتی ہیں، مگر کچھ لوگوں کی فطرت ہی تنگ نظری ہوتی ہے۔ اِسی طرح سیاسی لوگ جو لسانیات کی جنگ لڑتے ہیں وہ بھی تنگ نظری ہی کی پیداوار ہیں۔ اِسی 'تنگ نظری' سے 'اِنتہاپسندی' جنم لیتی ہے۔ ایسا شخص جب بھی فتویٰ دے گا تو دُوسروں کو کافر، مشرک، بدعتی اور اِسلام سے خارج کرے گا۔ اُس کا سارا زور دُوسروں کو اِسلام میں داخل کرنے کی بجائے اِسلام سے خارج کرنے پر ہوگا۔ اُس کے فتاویٰ سخت شدید ہوں گے۔ تیسرا درجہ 'عسکریت پسندی' ہے، اگر تنگ نظری کو کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ 'اِنتہاپسندی' کو جنم دیتی ہے، اسی طرح اگر 'اِنتہاپسندی'

کو قابو نہ کیا جائے تو اُس سے 'عسکریت پسندی' جنم لیتی ہے، جو بالآخر 'دہشت گردی' کا موجب بنتی ہے۔ گویا یہ چار مدارج ہوئے:

دہشت گردی (Terrorism)	عسکریت پسندی (Radicalism)	اِنتہا پسندی (Extremism)	تنگ نظری (Conservatism)

یوں 'دہشت گردی' تک پہنچنے سے پہلے ہر دہشت گرد 'تنگ نظری'، 'اِنتہا پسندی' اور 'عسکریت پسندی' کے زِینے طے کرتا ہے۔ اور اگر کسی کو شروع میں ہی روک لیا جائے تو وہ دہشت گرد بننے سے بچ سکتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو بین الاقوامی سطح پر دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں وہ صرف آخری درجے یعنی دہشت گردی کے خلاف لڑتے ہیں اور اُن تین درجات کو چھوڑ دیتے ہیں جہاں سے دہشت گردی کو ایندھن مہیا ہوتا ہے۔ دہشت گردی کے تن آور درخت کا بیج یہ تین درجات ہیں۔ وہ ہمیشہ پھل اور شاخ کو کاٹنا چاہتے ہیں مگر تنے کو کبھی نہیں کاٹتے۔ وہ شاخ کاٹتے ہیں تو اُس درخت کی نئی شاخیں پھوٹ پڑتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ایک ختم نہ ہونے والی جنگ بن چکی ہے۔ وہ تنے کو پانی بھی دیتے ہیں، ہوا بھی دیتے ہیں، پالتے بھی ہیں، بین الاقوامی سطح پر بھی اور مقامی ملکوں کی ایجنسیوں کے ذریعے بھی اِمداد دیتے ہیں۔ دہشت گردی کا اُس وقت تک خاتمہ نہیں ہوسکتا جب تک اِنتہا پسندی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ دُنیا کا کوئی بھی مذہب نفرتیں نہیں سکھاتا۔ مذاہب محبتیں بانٹتے ہیں۔ صرف اِسلام ہی نہیں، عیسائیت، یہودیت اور بدھ مت سب بنیادی طور پر اَمن و محبت کے مذاہب ہیں۔ مذاہب کا کام لوگوں کو جوڑنا ہے۔ مذاہب لوگوں کی نفرتیں مٹانے کے لئے آتے ہے۔ مذاہب لوگوں کو قریب کرنے کے لئے آتے ہیں دُور بھگانے کے لئے نہیں آتے۔ یہ سراسر اِسلام کی غلط تشریح ہے، بعض لوگ جنھوں نے ہتھیار اُٹھا لیے اور اپنے تئیں مجاہد اور مفتی بن بیٹھے، اُنہوں نے اِسلام کو بدنام کر دیا۔ دہشت گردی کی جنگ میں دُہرا کردار اَدا کیا جا رہا ہے۔ ہمیں اِس حقیقت کو بھی دیکھنا ہوگا کہ وہ نام نہاد مجاہدین وُجود میں کہاں سے آئے؟ کیا اِسلام نے اُنہیں جنم دِیا یا دُوسری طاقتوں نے اپنے سیاسی اور جنگی مقاصد کے لئے اُنہیں پیدا کیا، اُنہیں ہتھیار دیئے اور اُنہیں سپانسر کیا۔ کسی جگہ اُن کی پنیری لگائی اور بعد میں دُوسرے ملکوں کے خلاف لڑایا، اور اِتنے ہتھیار دیئے کہ وہ اَب اَژدہا بن گئے۔ یہ ایک بہت بڑی بین الاقوامی سیاسی چال ہے۔ اگر اِسے پاکستان یا اِسلام کے ساتھ منسوب کیا جائے تو یہ بہت بڑی بدقسمتی ہوگی۔ اِسے بین الاقوامی حالات اور تاریخی تناظر میں دیکھنا چاہیئے کہ یہ دہشت گرد کہاں سے پیدا ہوئے، کیوں پیدا ہوئے اور آج تک ختم کیوں نہیں

ہوئے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اُنہیں ختم کرنے والے ہی اُنہیں باقی رکھ رہے ہوں؟ اُن سے جنگ کرنے والے ہی اُنہیں ہتھیار مہیا کر رہے ہوں، تا کہ اپنے مزموم مقاصد حاصل کرسکیں اور اِسلام کے خلاف پروپیگنڈا جاری رکھ سکیں!!!

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: انٹرویو شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1002)

24- دہشت گرد کون ہیں؟

دُنیا میں اِنتہاء پسندی اور دہشت گردی کی بڑھتی ہوئی لہر نے عالمی اَمن کو تباہ کر دیا ہے۔ بدقسمتی سے دہشت گردوں کی اِن کارروائیوں کو اِسلام اور مسلمانوں کے ساتھ نتھی کیا جا رہا ہے۔ یہ سب ایک سوچی سمجھی سازش ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خودکش حملے کرنے والے اور نوجوانوں کو برین واشنگ کے ذریعے اِس قبیح عمل کی ترغیب و تربیت دینے والے قطعی طور پر اِسلام سے خارج ہیں۔ اِنتہاء پسند عناصر نوجوانوں کے ناپختہ ذِہنوں کو برین واش کر رہے ہیں۔ جو نوجوان جنت کی خواہش ذِہن میں رکھ کر دہشت گردوں کے ہاتھ لگ جاتے ہیں، وہ حقیقت میں حضور ﷺ کی تعلیمات کے مطابق خود کو اِسلام سے خارج سمجھیں۔ نیت کے اِعتبار سے دہشت گردی میں کوئی فرق نہیں۔ دہشت گردی ہر صورت میں دہشت گردی ہی ہے، خواہ وہ کسی بھی نیت سے ہو۔ کسی اچھی نیت کے تحت کیے جانے والے برے کام کو اچھا نہیں کہا جا سکتا۔ نیت کیسی بھی ہو، دہشت گردی اور خودکش بمباری کفر اور حرام ہے اور اِسلام میں قطعاً اُس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اِسلامی تعلیمات ہمیشہ سے اَمن، اِحسان اور محبت کے پیغام پر مشتمل ہیں، لیکن آج اُنہیں توڑ مروڑ کر پیش کیا جا رہا ہے۔ اِسلام نے تو دورانِ جنگ بھی آداب مقرر کر رکھے ہیں۔ اِسلام نے جنگ میں بھی بوڑھوں، عورتوں، بچوں، مریضوں، تجارتی مراکز، سکولوں اور ہسپتالوں کو پوری طرح تحفظ فراہم کیا ہے۔

اِسلام کو بزورِ شمشیر پھیلانے والوں کا تعلق '**خوارج**' سے ہے، جنہوں نے حضرت علیؑ کے اَمن مذاکرات سے بغاوت کرتے ہوئے اپنا باغی دہشت گرد گروپ قائم کیا تھا۔ موجودہ دَور کے دہشت گرد بھی اُسی گروہ سے ہیں۔ اُن کے حلیئے، اُن کی شکلیں ایک دُوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور وہ ساری علامات حضور نبی اکرم ﷺ نے اَحادیثِ مبارکہ میں بیان فرما دی تھیں۔ اپنے ذاتی اور سیاسی مفادات کی خاطر اِسلام کے نام پر دہشت گردی کرنے والے اِسلام کے سب سے بڑے دُشمن ہیں۔ اگر اُنہیں جہاد کرنا ہی ہے تو ملک میں تعلیم کی فراوانی کے لیے کریں۔ اِس کے علاوہ بدکاری، معاشرتی برائیوں کے خاتمہ، رِشوت، مہنگائی اور غربت کے خلاف جہاد کریں، جو اِسلامی تعلیمات کے عین

مطابق بھی ہے۔ نظامِ خلافت کے نام پر من مانی تعبیریں پیش کرنے والے جمہوریت کے مخالفین کو سوچنا چاہیئے کہ حضور ﷺ سب سے پہلے جمہوری نظام کے داعی ہیں۔

(برائے مزید مطالعہ ملاحظہ ہو تصنیف شیخ الاسلام: ”دہشت گردی اور فتنہ خوارج“)

25- تہذیبی تصادُم

ملتِ اِسلامیہ کے ہمہ گیر زوال کی وجہ سے اِسلامی تہذیب کا رُوئے اَرض پر کوئی کامل نمونہ دِکھائی نہیں دیتا، اُس کے باوُجود بچی کھچی اِسلامی تہذیب کو لادِینیت پر مبنی تہذیبوں کی یلغار کا سامنا ہے۔ اِنٹرنیٹ، ٹی وی چینلز اور موبائل فون جیسے ذرائع نے فاصلوں کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے اور دُنیا بھر کے معاشرے تیزی سے ایک دوسرے پر اثرانداز ہونے لگے ہیں۔ دُنیا ایک گلوبل وِلیج بن چکی ہے اور کمیونیکیشن اِتنی وسیع اور تیز رفتار ہوگئی ہے کہ اُس کی وجہ سے کوئی بھی خبر سیکنڈز کے اندر پوری دُنیا میں پھیل جاتی ہے۔ یوں تہذیبوں کے ایک دُوسرے پر اَثرات بھی تیزتر ہو گئے ہیں۔ بیسویں صدی سے شروع ہونے والا ٹیکنالوجی کا حالیہ عروج دُنیا کو گلوبل وِلیج بنا چکا ہے۔ جو کچھ آج کل امریکہ و یورپ میں ہو رہا ہے لاہور میں بیٹھا شخص اُس کا فوری اثر لے رہا ہے۔ ذرائع اِبلاغ، الیکٹرانک میڈیا، ٹی وی، کمپیوٹر، اِنٹرنیٹ اور موبائل تیزی سے مشرق و مغرب کو باہم ملا رہے ہیں اور دُنیا بھر کی تہذیبیں ایک دُوسرے پر اَثرانداز ہو رہی ہیں۔

دُوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مذہبی معاشرے خود اپنی تہذیب کے اَخلاقی پہلوؤں سے دامن چھڑا چکے ہیں اور لادِین معاشرے اُن کی اَخلاقی اَقدار کو اپنا چکے ہیں۔ اِمیگریشن کے ذریعے یورپ اور امریکہ میں جا بسنے والے مسلمان جہاں اُن قوموں سے مرعوب ہیں وہاں وہ اپنی دینی و ثقافتی روایات کا اَثر کسی حد تک اُن پر بھی چھوڑ رہے ہیں اور اُنہیں مسلمانوں کے عمل اور طرزِ عمل سے اِسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔

اِسلامی تہذیب ہمیشہ سے فطرت کے اُصولوں پر کاربند ہے اور اِسلامی نظریہ کے مطابق اچھائی ہمیشہ اچھائی اور برائی ہمیشہ برائی رہتی ہے، ساری دُنیا مل کر بھی کسی برائی کو اچھائی کہنے لگے تو وہ اچھائی نہیں بن سکتی۔ دُوسری طرف مغربی معاشرہ کی اَقدار اُن کے کلچر پر منحصر ہوتی ہیں، یعنی جس عمل کو اُن کا معاشرہ اچھا کہے وُہی اچھا قرار پاتا ہے۔ کھرے وکھوٹے کی پہچان کے لئے قانونِ فطرت اور آفاقی سچائیاں اُن کے نزدیک بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ یوں اُن کی غیرفطری اَقدار اُن کے معاشروں کی زبوں حالی کا باعث بن رہی ہیں۔

دُوسری طرف اُنہیں یہ بھی خدشہ ہے کہ دینِ فطرت کے پیروکار ہونے کے ناتے ممکنہ طور پر مسلمان علم اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اُن کے وارث ثابت ہو سکتے ہیں۔ اِس لئے مغربی دُنیا کا ایک شدت پسند طبقہ مغرب میں قبولِ اِسلام اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی سے خوفزدہ ہو کر یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں کو مسلمانوں سے مسلسل خوف زدہ کرنے میں مصروف ہے اور دُنیا کو ایک ہمہ گیر تہذیبی تصادُم کی طرف دھکیل رہا ہے۔

- یہی وہ طبقہ ہے جو دُنیا میں کسی بھی جگہ ہونے والی دہشت گردی کی واردات کو کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے ساتھ جوڑنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ اور اُنہیں اَمن وسکون کے ساتھ جینے نہیں دیتا۔
- یہی وہ طبقہ ہے جو مسلمانوں کو آئے روز مختلف حیلوں بہانوں سے مشتعل کر کے اَقوامِ عالم کی نظر میں ایک جذباتی اور عقل سے عاری قوم ثابت کرنے پر محنت کر رہا ہے۔
- یہی وہ طبقہ ہے جو شدت پسند مسلمانوں (خوارج) کو مختلف ممالک میں دہشت گردانہ کارروائیاں کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور بعد اَزاں میڈیا پر واویلا مچا کر نہ صرف فرانس جیسے مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کی تہذیبی روایات (سکارف وغیرہ) پر پابندیاں لگواتا ہے، دُنیا کے اہم انٹرنیشنل ایئرپورٹس پر باڈی سکینرز نصب کرنے پر زور دیتا ہے جہاں خواتین کا مکمل جسم دیکھنا ممکن ہو سکے، بلکہ یونہی مختلف بہانوں سے مسلمان ممالک پر اِقتصادی پابندیوں کا باعث بھی بنتا ہے۔
- سال 2005ء میں اُسی طبقے نے مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے لئے ناروے کے چند اَخبارات میں آزادئ اِظہارِ رائے کے نام پر پیغمبر اِسلام ﷺ کے توہین آمیز خاکے شائع کروائے اور بعد ازاں سال 2010ء میں اِنٹرنیٹ پر بڑے پیمانے پر توہین آمیز خاکوں کے مقابلے کا سلسلہ شروع کیا اور سوا اَرب سے زائد مسلمانوں کے جذبات مجروح کئے۔
- سال 2007ء میں اُسی طبقے نے سوئٹزرلینڈ کے مختلف شہروں میں واقع بڑے بڑے چرچوں کے میناروں پر mp3 پلیئر، گھڑی اور سپیکرز پر مشتمل خودکار ''صلاۃ باکس'' نصب کئے، پھر اُن کی مدد سے نمازوں کے اَوقات میں اَذانوں کی آوازیں بلند کیں اور لوگوں کو یہ باور کرایا کہ عنقریب اَذانوں کی یہ آواز ''ساؤنڈ بم'' (Sound Bomb) کی طرح تمہارے چرچوں کے میناروں سے نمودار ہو سکتی ہے۔ اِس ''شرارت'' کے بعد سوئٹزرلینڈ میں موجود مساجد کے میناروں کے خلاف ایک تحریک نے جنم لیا اور سال 2009ء میں ایک ریفرینڈم کے نتیجے میں سوئس حکومت کی

طرف سے سوئٹرز لینڈ میں مساجد کے میناروں پر پابندی عائد کر دی گئی۔

اَیسے نامساعد حالات کے باوُجود اِسلام کی فطرت میں قدرت نے وہ لچک دی ہے کہ یورپ میں مقیم (ساڑھے پانچ کروڑ) مسلمانوں کے ذریعے وہاں کے عوام تک کسی حد تک اِسلام کا عملی پیغام پہنچ رہا ہے۔ اِسلام کے خلاف پروپیگنڈا کی وجہ سے یورپی عوام اِسلام بارے تجسس میں مبتلا ہیں اور جوں جوں کسی کو اِسلام کی پُرامن تعلیمات کی خبر ہوتی ہے وہ اِسلام کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔

تارکینِ وطن کے لئے کڑی آزمائشیں

اِس تہذیبی کشمکش میں تارکینِ وطن کو تین کڑی آزمائشوں کا سامنا ہے اور دینِ فطرت کے نام لیوا ہونے کے ناتے اگر مسلمان اِن آزمائشوں میں سرخرو ہوئے تو کامیابی یقیناً اُن کا مقدر ہوگی۔ اِن شاء اللہ

1۔ شدت پسند طبقے کا نظریاتی سطح پر مقابلہ

مغربی معاشرے کے شدت پسند طبقے کی اِشتعال انگیزی سے بچنے اور مسلم نوجوانوں کو تنگ نظری، اِنتہاپسندی اور دہشت گردی کی آگ سے محفوظ رکھنے کے لئے اِسلام کی اَمن و اِعتدال پسندانہ تشریح ضروری ہے، جو نئی نسل کو اُس طبقے کی شرانگیزی سے تحفظ فراہم کر سکے۔ علاوہ ازیں اِشتعال انگیزی کا سبق دینے والے نام نہاد مسلمان گروہوں (خوارج) سے بھی بچنے کی اَشد ضرورت ہے، جو اِسلام کو ایک دہشت گرد مذہب ثابت کرنے میں اِسلام دُشمنوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ (اِس ضمن میں ''دہشت گردی اور فتنہ خوارج'' کا مطالعہ ناگزیر ہے۔) یہ اِس لئے بھی ضروری ہے تاکہ مغربی دُنیا کے پُراَمن عوام اِسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگاہ ہوں اور اِسلام کے حوالے سے پھیلائی گئی اَفواہوں کو بے نقاب کیا جائے۔

2۔ کردار و عمل کے ذرِیعہ تبلیغ

تارکینِ وطن کے لئے ضروری ہے کہ یورپی اَقوام کے رنگ میں رنگے جانے کی بجائے اپنی اَقدار اور اَخلاق کو اچھے انداز میں قائم رکھتے ہوئے مغربی سوسائٹی میں integrate ہوں اور اُنہیں غیرمحسوس طریقے سے اپنے قریب لانے کی کوشش کریں۔ اِسلام کو اپنے کردار و عمل کے ذریعے پُراَمن اور آج کے جدید سائنسی دَور میں بھی قابلِ عمل دین ثابت کریں تاکہ مقامی آبادی کو اِسلام کے خلاف پھیلائے گئے نفرت آمیز پروپیگنڈا کی حقیقت معلوم ہو اور

اِسلام کا حقیقی رُوپ نظر آ سکے۔ یہی تبلیغِ دین کا وہ طریقہ ہے جو دورِ حاضر میں مغربی ممالک میں قابلِ عمل ہے۔ (اِس ضمن میں دو تصانیف ''اِسلام میں اِنسانی حقوق'' اور ''اِسلام اور جدید سائنس'' کا مطالعہ ناگزیر ہے۔) اِس نہج پر عمل کیا جائے تو عقیدۂ تثلیث (trinity) کی غیرعقلی مُوشگافیوں سے متنفر عیسائی قوم خودبخود اِسلام کے پیغامِ توحید و رسالت کی طرف کھنچی چلی آئے گی۔

3۔ اَولاد کے اِیمان کی حفاظت

تارکینِ وطن کے لئے سب سے اہم آزمائش یہ ہے کہ اپنے بچوں کے اِیمان کی حفاظت کے لئے خاص بندوبست کریں۔ دُنیا کماتے کماتے بچوں کا اِیمان غارت نہ کر بیٹھیں۔ روزِ محشر آپ سے آپ کی اَولاد کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ قرآنِ حکیم میں اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا اَنفُسَكُمْ وَاَهْلِيكُمْ نَارًا. (القرآن، التحریم، 66: 6)

''اَے اِیمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اَہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔''

یاد رکھیں! اگر آپ نے اُن کی دینی تعلیم و تربیت کے اِہتمام سے غفلت برتی تو آپ کے بچوں کے صرف نام ہی مسلمانوں جیسے ہوں گے جب کہ فکر و عمل میں وہ مکمل طور پر غیرمسلم بن چکے ہوں گے، پھر خواہ وہ ترقی کرتے کرتے سربراہِ مملکت ہی کیوں نہ بن جائیں، اِسلام اور اَہلِ اِسلام کو اُن سے کوئی فائدہ نہ ہو سکے گا۔ تحریکِ منہاج القرآن بڑی کامیابی کے ساتھ تارکینِ وطن کے بچوں کی دِینی تعلیم و تربیت کے لئے بذریعہ اِنٹرنیٹ آن لائن کورسز کروا رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: www.equranclass.com

تہذیبی تصادُم میں کامیابی کا لائحہ عمل

- مذکورہ بالا تینوں تصانیف کو یورپ بھر میں پھیلانے کے لئے ایک مہم لانچ کی جائے تاکہ وہ یورپ کے ہر مسلمان اور غیرمسلم گھرانے تک پہنچ سکیں۔ صاحبِ ثروت لوگ اِن تینوں تصانیف کے مقامی زبانوں میں تراجم کروائیں تاکہ مقامی آبادی کو اِسلامی تعلیمات کا زندہ روپ دکھائی دے سکے۔ خواہش مند اَفراد اِس سلسلے میں dfa@minhaj.org پر رابطہ کر سکتے ہیں۔
- حالیہ سروے کے مطابق 57 فیصد یورپی لوگ اِسلام بارے معلومات کے لئے صرف ٹی وی نیوز پر اِنحصار کرتے

ہیں، اور ہر ذِی شعور آگاہ ہے کہ مغربی میڈیا اِسلام کے حوالے سے نہایت قابلِ نفرت رُوپ پیش کرتا ہے، جو یقیناً حقیقی اِسلام نہیں ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ گلی محلوں، کاروباری مراکز اور تعلیمی اِداروں میں مقامی آبادی کے جن لوگوں سے آپ کا روزانہ واسطہ پڑتا ہے، اُن کے ساتھ اچھے تعلقات پیدا کریں اور اُنہیں مذکورہ بالا تینوں تصانیف گفٹ دیں تاکہ وہ اِسلام کو جدید دَور کے تقاضوں کے مطابق ایک زِندہ دِین کے طور پر جان سکیں۔

- کسی بھی رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے تارِکینِ وطن کی تمام مسلمان تنظیموں کو چاہیئے کہ وہ رنگ و نسل اور زبان کی حدود سے بالاتر ہوکر اپنے اپنے ملکوں میں بسنے والے دیگر مسلمانوں کے ساتھ بھی اپنے روابط کو بڑھائیں۔ پاکستانی تارکین وطن تنظیمیں بطورِ خاص عربوں، ترکوں، مراکشیوں اور دیگر مسلمان تنظیموں کے پروگراموں میں شریک ہوں اور اُنہیں بھی اپنے پروگراموں میں مدعو کریں اور اُن تک مذکورہ بالا تینوں تصانیف پہنچائیں۔
- اِنفرادی طور پر تمام مسلمان تارِکینِ وطن اپنے اپنے ملکوں کے ملکی قوانین کی پاسداری کریں اور جمہوری رِوایات کو ہمیشہ مدِنظر رکھیں۔ مقامی آبادی کے ساتھ اَمن و محبت اور بھائی چارے کے ساتھ پیش آئیں اور اُنہیں اپنے اَخلاق و کردار سے متاثر کریں۔

26- جشن میلادُ النبی ﷺ منانا

جشنِ میلادُ النبی ﷺ حضور نبی اَکرم ﷺ کی وِلادت باسعات کی تاریخی خوشی میں مسرت و شادمانی کا اِظہار ہے اور یہ اَیسا مبارک عمل ہے جس سے اَبولہب جیسے کافر کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر اَبولہب جیسے کافر کو میلادُ النبی ﷺ کی خوشی میں ہر پیر کو عذاب میں تخفیف نصیب ہوسکتی ہے تو اُس مؤمن مسلمان کی سعادت کا کیا ٹھکانا ہوگا جس کی زندگی میلادُ النبی ﷺ کی خوشیاں منانے میں بسر ہوتی ہو۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ خود بھی اپنے یومِ وِلادت کی تعظیم فرماتے اور اِس کائنات میں اپنے ظہورِ وُجود پر سپاس گزار ہوتے ہوئے پیر کے دِن روزہ رکھتے۔ آپ ﷺ کا اپنے یومِ وِلادت کی تعظیم و تکریم فرماتے ہوئے تحدیثِ نعمت کا شکر بجا لانا حکمِ خداوندی تھا کیوں کہ حضور نبی اَکرم ﷺ ہی کے وُجودِ مسعود کے تصدق و توسل سے ہر وُجود کو سعادت ملی ہے۔

جشنِ میلادُ النبی ﷺ کا عمل مسلمانوں کو حضور نبی اَکرم ﷺ پر درود و سلام جیسے اَہم فرائض کی رغبت دِلاتا

ہے اور قلب ونظر میں ذوق وشوق کی فضاء ہموار کرتا ہے۔ صلوٰۃ وسلام بذاتِ خود شریعت میں بے پناہ نوازشات و برکات کا باعث ہے۔ اِس لیے جمہور اُمت نے میلادُ النبی ﷺ کا اِنعقاد مستحسن سمجھا۔

سیرتِ طیبہ کی اَہمیت اُجاگر کرنے اور جذبہ محبتِ رسول ﷺ کے فروغ کے لیے محفلِ میلاد کلیدی کردار اَدا کرتی ہے۔ اِسی لیے جشنِ میلاد النبی ﷺ میں فضائل، شمائل، خصائل اور معجزاتِ سید المرسلین ﷺ کا تذکرہ اور اُسوۂ حسنہ کا بیان ہوتا ہے۔

جشنِ میلاد النبی ﷺ کا ایک اَہم مقصد محبت وقربِ رسول اللہ ﷺ کا حصول وفروغ اور آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے مسلمانوں کے تعلق کا اِحیاء ہے اور یہ اِحیاء منشاءِ شریعت ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے فضائل وکمالات کی معرفت اِیمان باللہ اور اِیمان بالرسالت میں اِضافہ کا محرک بنتی ہے۔ آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اِیمان کا پہلا بنیادی تقاضا ہے اور میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے سلسلہ میں مَسرت وشادمانی کا اِظہار، محافلِ ذکر ونعت کا اِنعقاد اور کھانے کا اِہتمام اللہ تعالیٰ کے حضور شکرگزاری کے سب سے نمایاں مظاہر میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اَکرم ﷺ کو ہمارے لیے مبعوث فرما کر ہمیں اپنے بے پایاں اِحسانات وعنایات اور نوازشات کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے اِس اِحسانِ عظیم کو جتلایا ہے۔

جس طرح ماہِ رمضانُ المبارک کو اللہ ربّ العزت نے قرآنِ حکیم کی عظمت وشان کے طفیل دِیگر تمام مہینوں پر اِمتیاز عطا فرمایا ہے، اُسی طرح ماہِ ربیع الاول کے اِمتیاز اور اِنفرادیت کی وجہ بھی اُس میں صاحبِ قرآن کی تشریف آوری ہے۔ یہ ماہِ مبارک حضور نبی اَکرم ﷺ کی وِلادت باسعادت کے صدقے جملہ مہینوں پر نمایاں فضیلت اور اِمتیاز کا حامل ہے۔ شبِ میلادِ رسول ﷺ لیلۃُ القدر سے بھی اَفضل ہے۔ لیلۃُ القدر میں نزولِ قرآن ہوا تو شبِ میلاد میں صاحبِ قرآن کی آمد ہوئی۔ لیلۃُ القدر کی فضیلت اِس لیے ہے کہ وہ نزولِ قرآن اور نزولِ ملائکہ کی رات ہے اور نزولِ قرآن قلبِ مصطفیٰ ﷺ پر ہوا ہے۔ اگر حضور نبی اَکرم ﷺ نہ ہوتے تو قرآن ہوتا اور نہ شبِ قدر ہوتی۔ یہ ساری فضیلتیں اور عظمتیں میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا صدقہ ہیں۔ پس شبِ میلادُ النبی ﷺ شبِ قدر سے بھی اَفضل ہے۔

اِس کائناتِ اِنسانی پر اللہ ربّ العزت نے بے حد وحساب اِحسانات واِنعامات فرمائے۔ اِنسان پر بے پایاں نوازشات اور مہربانیاں کیں اور یہ سلسلہ اَبد الآباد تک جاری وساری رہے گا۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے ہمیں لاتعداد نعمتوں سے نوازا جن میں سے ہر نعمت دُوسری سے بڑھ کر ہے لیکن اُس نے کبھی کسی نعمت پر اِحسان نہیں جتلایا۔ اللہ تعالیٰ نے

www.MinhajBooks.com
منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

ہمیں لذت و توانائی سے بھرپور طرح طرح کے کھانے عطا کیے مگر اُس کا کوئی اِحسان نہیں جتلایا، پینے کے لیے مختلف خوش ذائقہ مشروبات دیے، دن رات کا ایک ایسا نظام الاوقات دیا جو سکون و آرام فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری ضروریاتِ زندگی کی کفالت کرتا ہے، سمندروں، پہاڑوں اور خلائے بسیط کو ہمارے لیے مسخر کر دیا، ہمیں اَشرف المخلوقات بنایا اور ہمارے سر پر بزرگی وعظمت کا تاج رکھا، والدین، بہن، بھائی اور اَولاد جیسی نعمتوں کی اَرزانی فرمائی، عالمِ اَنفس و آفاق کو اپنی ایسی عطاؤں اور نوازشوں سے فیض یاب کیا کہ ہم اُن کا اِدراک کرنے سے بھی قاصر ہیں لیکن اُن سب کے باوُجود اُس نے بطورِ خاص ایک بھی نعمت کا اِحسان نہیں جتلایا کہ وہ ربُّ العالمین ہونے کے اِعتبار سے بلاتمیز مؤمن و کافر سب پر یکساں شفیق ہے اور اُس کا دامنِ عاطفت ہر ایک کو اپنے سایۂ رحمت میں رکھے ہوئے ہے۔ لیکن ایک نعمت ایسی ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے جب اُسے اپنے حریمِ کبریائی سے نوعِ اِنسانی کی طرف بھیجا تو پوری کائناتِ نعمت میں صرف اُس پر اپنا اِحسان جتلایا اور اُس کا اِظہار بھی عام پیرائے میں نہیں کیا بلکہ اَہلِ ایمان کو اُس کا اِحساس دِلایا۔ مؤمنین سے رُوئے خطاب کر کے اِرشاد فرمایا:

لَقَد مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (القرآن، آل عمران، 3 : 164)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا اِحسان فرمایا کہ اُن میں اُنہی میں سے عظمت والا رسول بھیجا۔‘‘

اِسلام میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں اور اُس کے فضل و کرم پر شکر بجا لانا تقاضائے عبودیت و بندگی ہے، لیکن قرآن نے ایک مقام پر اِس کی جو حکمت بیان فرمائی ہے وہ خاصی معنی خیز ہے۔ اِرشاد فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْد. (القرآن، ابراهيم، 14 : 7)

’’اگر تم شکر اَدا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اِضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت پر شکر بجا لانے کا ایک معروف طریقہ یہ بھی ہے کہ اِنسان حصولِ نعمت پر خوشی کا اِظہار کرنے کے ساتھ اُس کا دُوسروں کے سامنے ذِکر بھی کرتا رہے کہ یہ بھی شکرانِ نعمت کی ایک صورت ہے اور ایسا کرنا قرآنِ حکیم کے اِس اِرشاد سے ثابت ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ. (القرآن، الضحی، 93 : 11)

’’اور اپنے رب کی نعمتوں کا (خوب) تذکرہ کریں‘‘

اِس میں پہلے ذکرِ نعمت کا حکم ہے کہ اَللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کو دِل و جان سے یاد رکھا جائے اور زبان سے اُس کا ذِکر کیا جائے لیکن یہ ذِکر کسی اور کے لیے نہیں فقط اَللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ اُس کے بعد تحدیثِ نعمت کا حکم دیا کہ کھلے بندوں مخلوقِ خدا کے سامنے اِس کو یوں بیان کیا جائے کہ نعمت کی اَہمیت لوگوں پر عیاں ہوجائے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ ذِکر کا تعلق اَللہ تعالیٰ سے اور تحدیثِ نعمت کا تعلق مخلوق سے ہے کیوں کہ اُس کا زیادہ سے زیادہ لوگوں میں چرچا کیا جائے جیسا کہ قرآنِ مجید میں اِرشاد ہوا:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ. (القرآن، البقرة، 2 : 152)

’’سوتم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر اَدا کیا کرو اور (میری نعمتوں کا) اِنکار نہ کیا کرو۔‘‘

اِس آیۂ کریمہ میں تلقین کی گئی ہے کہ خالی ذِکر ہی نہ کرتے رہو بلکہ اَللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذِکر شکرانے کے ساتھ اَیسے کرو کہ اَللہ تعالیٰ کے ساتھ خلقِ خدا بھی اُسے سنے۔ اِس پر مستزاد اِظہارِ تشکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نعمت پر خوشی کا اِظہار جشن اور عید کی صورت میں کیا جائے۔ اُممِ سابقہ بھی جس دِن کوئی نعمت اُنہیں میسر آتی اُس دن کو بطورِ عید مناتی تھیں۔ قرآنِ مجید میں حضرت عیسیٰؑ کی اِس دعا کا ذِکر ہے جس میں وہ بارگاہِ اِلٰہی میں یوں ملتجی ہوتے ہیں:

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا (القرآن، المائدة، 5 : 114)

’’اَے ہمارے ربّ! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اُس کے اُترنے کا دِن) ہمارے لیے عید (یعنی خوشی کا دِن) ہوجائے ہمارے اَگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لیے (بھی)۔‘‘

یہاں مائدہ جیسی عارضی نعمت پر عید منانے کا ذِکر ہے۔ عیسائی لوگ آج تک اِتوار کے دن اُس نعمت کے حصول پر بطورِ شکرانہ عید مناتے ہیں۔ یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ کیا نزولِ مائدہ جیسی نعمت کی وِلادت و بعثتِ مصطفیٰ ﷺ سے کوئی نسبت ہوسکتی ہے؟ اِس نعمتِ عظمیٰ پر تو مائدہ جیسی کروڑوں نعمتیں نثار کی جاسکتی ہیں۔

’’صحیح بخاری‘‘ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ جب ایک یہودی نے اُن سے پوچھا کہ جس دِن آیتِ کریمہ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ نازِل ہوئی کیا آپ اُس دِن کو بطورِ عید مناتے ہیں؟ اگر ہماری تورات میں ایسی آیت اُترتی تو ہم اُسے ضرور یومِ عید بنا لیتے۔ اُس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کہ ہم اُس دِن اور جگہ کو جہاں یہ آیت اُتری تھی خوب پہچانتے ہیں۔ یہ آیت یومِ حج اور یومِ جمعۃ المبارک کو میدانِ عرفات میں اُتری تھی اور ہمارے لیے یہ دونوں دِن عید کے دِن ہیں۔

۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب زیادۃ الایمان ونقصانہ، ۱ : ۲۵، رقم : ۴۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب التفسیر، ۴ : ۲۳۱۳، رقم : ۳۰۱۷

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب تفسیر القرآن، باب من سورۃ المائدۃ، ۵ : ۲۵۰، رقم : ۳۰۴۳

۴۔ نسائی، السنن، کتاب الایمان، باب زیادۃ الایمان، ۸ : ۱۱۴، رقم : ۵۰۱۲

اِس پر سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر تکمیلِ دین کی آیت کے نزول کا دِن بطورِ عید منانے کا جواز ہے تو جس دِن خود محسنِ اِنسانیت ﷺ اِس دُنیا میں تشریف لائے اُسے بہ طورِ عیدِ میلاد کیوں نہیں منایا جاسکتا؟ یہی سوال فضیلتِ یومِ جمعہ کے باب میں اَربابِ فکر ونظر کو غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

رِوایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضور نبی اَکرم ﷺ نے اپنے میلاد کی خوشی میں بکرے ذِبح کر کے ضیافت کا اِہتمام فرمایا۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ کی رِوایت کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے بعد اَز بعثت اپنا عقیقہ کیا۔ اِس پر اِمام سیوطیؒ (849۔ 911ھ) کا اِستدلال ہے کہ حضور نبی اَکرم ﷺ کا عقیقہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب آپ کی وِلادت کے سات دِن بعد کر چکے تھے اور عقیقہ زِندگی میں صرف ایک بار کیا جاتا ہے۔ اِس لیے آپ ﷺ نے یہ ضیافت اپنے میلاد کے لیے دِی تھی عقیقہ کے لیے نہیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام "میلاد النبی ﷺ")

27- میلادُ النبی ﷺ پر جلوس نکالنا

حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد شریف پر خوشی منانا قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اُس کا تقاضا ہے کہ مؤمن کا دِل خوشی و اِنبساط سے لبریز ہوجائے، اَلبتہ اُس کے اِظہار کے مختلف ثقافتی طریقے ہیں جو مختلف علاقوں میں مختلف ہوتے ہیں اور اُن کا وقت کے ساتھ ساتھ بدلنا ناگزیر ہوتا ہے۔

ہم یومِ پاکستان اور یومِ قائدِ اعظم مناتے ہیں، اُس موقع پر جلوس نکالتے ہیں۔ یہ ہمارے علاقائی رسم و رواج

کا حصہ ہے، اُسے شرعی نہیں بلکہ ثقافتی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ میلادُالنبی ﷺ کے مبارک موقع پر جلوس نکالنا ہماری ثقافت کا حصہ ہے۔ اگر یومِ پاکستان منانا ثقافتی نقطۂ نظر سے درست ہے تو حضور نبی اَکرم ﷺ کے میلاد کا دن جو اِنسانی تاریخ کا اَہم ترین دِن ہے، کیوں نہ منایا جائے! اگر قومی تہوار پر قوم اپنی عزت و اِفتخار کو نمایاں کرتی ہے تو حضور رحمتِ عالم ﷺ کی وِلادت کے دِن وہ بطورِ اُمت اپنا جذبۂ اِفتخار کیوں نمایاں نہ کرے! جس طرح اُن ثقافتی مظاہر پر کسی اِستدلال کی ضرورت نہیں، اُسی طرح میلادُالنبی ﷺ کے جلوس کے جواز پر بھی کسی اِستدلال کی ضرورت نہیں۔ خوشی اور اِحتجاج دونوں مواقع پر جلوس نکالنا بھی ہمارے کلچر کا حصہ ہے۔ حضور نبی اَکرم ﷺ کے میلاد پر اگر ہم جلسہ و جلوس اور صلوٰۃ و سلام کا اِہتمام کرتے ہیں تو اُس کا شرعی جواز دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے!

یہ پوچھا جاتا ہے کہ عرب کیوں جلوس نہیں نکالتے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ عرب کے کلچر میں جلوس نہیں، جب کہ عجم کے کلچر میں ایسا ہے۔ متحدہ عرب اَمارات اور مصر وغیرہ میں بھی لوگ میلاد مناتے ہیں، لیکن جلوس نکالنا اُن کے کلچر میں بھی نہیں ہے، جب کہ ہمارے ہاں تو کرکٹ کے میچ میں کامیابی پر بھی جلوس نکالنا خوشی کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ جیتنے والی ٹیموں اور الیکشن جیتنے والے اُمیدواران کا اِستقبال جلوس کی شکل میں کیا جاتا ہے۔

لہٰذا جو عمل شریعت میں منع نہیں بلکہ مباح ہے اور ثقافتی ضرورت بن گیا ہے اور اُس کا اَصل مقصد حضور نبی اَکرم ﷺ کی وِلادت کی خوشی منانا ہے تو اُس پر اِعتراض کرنے کی کیا گنجائش اور ضرورت ہے!

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام "میلاد النبی ﷺ")

28- جشن میلادُالنبی ﷺ پر توپوں کی سلامی

خلافتِ عثمانیہ میں حضور نبی اَکرم ﷺ کی وِلادت کے دن 21 توپوں کی سلامی دی جاتی تھی۔ اِسی طرح مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بلادِ یمن و شام میں میلادُالنبی ﷺ اِنتہائی تزک و اِحتشام سے منایا جاتا تھا۔ آج بھی عرب دُنیا میں جب کوئی تخت نشین ہوتا ہے تو بڑی گرم جوشی سے اُس کی تاج پوشی کا دِن منایا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر سال تخت نشینی کی رسم کے ساتھ بادشاہ کو تحائف سے نوازا جاتا ہے، توپوں کی سلامی دی جاتی ہے، مٹھائیاں تقسیم کی جاتیں ہیں اور ملک بھر میں عید کا سا سماں ہوتا ہے۔ پوری مغربی دُنیا 25 دسمبر کو بطور عید (کرسمس ڈے) مناتی ہے لیکن وہ اُس کی تیاریاں کئی ماہ قبل شروع کر دیتے ہیں۔ اُن کی دکانیں، گھر، بازار اور درخت کرسمس کی آمد کی نشان دہی کر رہے ہوتے

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

ہیں۔ اُن چار مہینوں (ستمبر تا دسمبر) میں امریکہ اور یورپ کی دُنیا کا جوش وخروش دیدنی ہوتا ہے۔ لہٰذا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وِلادت کی خوشیاں عیسائی دُنیا بڑے کرّ و فر سے مناتی ہے، تو جس ہستی کی وساطت اور رِسالت کے تصدق سے عیسیٰ علیہ السلام اور دِیگر تمام اَنبیاء کو نبوت و رِسالت ملی، اور جن کی بعثت کے لیے جدُّالانبیاء سیدنا اِبراہیم علیہ السلام نے دُعا فرمائی، اُن کا یومِ وِلادت اُمتِ مسلمہ کیوں نہ منائے! اگر یومِ پاکستان منانا ثقافتی نقطۂ نظر سے درست ہے تو حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کا دِن جو اِنسانی تاریخ کا اَہم ترین دِن ہے، کیوں نہ منایا جائے! اگر یومِ آزادی پر توپوں کی سلامی دی جاتی ہے تو میلاد کے دِن کیوں نہ دی جائے! اِسی طرح خوشی کے مواقع پر چراغاں ہوتا ہے تو یومِ میلاد پر چراغاں کیوں نہ کیا جائے! اگر قومی تہوار پر قوم اپنی عزت و اِفتخار کو نمایاں کرتی ہے تو حضور رحمتِ عالم ﷺ کی وِلادت کے دن وہ بطور اُمت اپنا جذبۂ اِفتخار کیوں نمایاں نہ کرے!

آج حالات کے تقاضے یکسر بدل چکے ہیں، یومِ آزادی اور دیگر اہم ایام کا منایا جانا ہماری ثقافتی زندگی کا جزوِلاینفک بن چکا ہے؛ لہٰذا اِسلامی ثقافت کی سب سے بڑی علامت یعنی یومِ میلادالنبی ﷺ کو کیسے نظراَنداز کیا جا سکتا ہے! حضور نبی اَکرم ﷺ سے محبت اصلِ اِیمان ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات واُسوہ پرعمل کے ساتھ ساتھ اِس محبت کا مؤثر ترین اِظہار جشنِ میلاد منا کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ یہ بڑی ستم ظریفی اور نااِنصافی ہوگی کہ آج کے مسلمان حکمران اپنی تخت نشینی کا دِن تو پورے جوش وخروش سے منائیں اور اُس پر کسی حلقے کی طرف سے بدعت وشرک کا فتویٰ نہ لگے اور اُسے ثقافت کے نام پر جائز سمجھا جائے، لیکن جب تاجدارِ کائنات ﷺ کی وِلادتِ مبارکہ کا دِن منایا جائے تو فتویٰ فروشوں کی زبانیں اور قلم حرکت میں آ کر بدعت وشرک کے فتوے اُگلنا شروع کر دیں۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام "میلاد النبی ﷺ")

29- یوم آزادی منانا

ہر سال یومِ آزادی پہ جشن منانا، اُس روز اللہ ربّ العزت کے حضور شکرانے کے نوافل پڑھنا اور عمارات پر چراغاں کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے تاکہ نئی نسل آزادی کی نعمت سے آگاہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اِسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دِلاتے ہوئے جو آزادی عطا کی تھی، اُس نعمت کی یاد دِلاتے ہوئے قرآنِ مجید میں اِرشاد فرمایا:

وَاِذْ نَجَّیْنَاکُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ. (القرآن، البقرۃ، 2 : 49)

''اور (اے آلِ یعقوب! اپنی قومی تاریخ کا وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہیں قومِ فرعون سے نجات بخشی جو تمہیں اِنتہائی سخت عذاب دیتے تھے۔''

اِس قرآنی اِرشاد کی روشنی میں غلامی ومحکومی کی زندگی سے آزادی ایک بہت بڑی نعمت ہے، جس پر شکر بجا لانا آنے والی نسلوں پر واجب ہے۔ اِس سے اِستدلال کرتے ہوئے ہم پر یہ ذِمہ داری عائد ہوتی ہے کہ قومی آزادی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی ہوئی نعمتِ غیرمترقبہ سمجھیں اور اُس پر شکرانہ اَدا کریں۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ اِس اَمر پر شاہد ہے کہ نعمت کے شکرانے کے طور پر باقاعدگی کے ساتھ بالاہتمام خوشی ومَسرت کا اِظہار اِس لیے بھی ضروری ہے کہ آئندہ نسلوں کو اِس نعمت کی قدر و قیمت اور اَہمیت سے آگاہی ہوتی رہے۔

یوں تو اِنسان سارا سال نعمتِ اِلٰہی پر خدا کی ذاتِ کریمہ کا شکر اَدا کرتا رہتا ہے، لیکن جب گردشِ اَیام سے وہ دن دوبارہ آتا ہے جس میں مِن حیث القوم اُس پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا اور مذکورہ نعمت اُس کے شریکِ حال ہوئی تو خوشی کی کیفیات خودبخود جشن کی صورت اِختیار کر لیتی ہیں۔

(ماخوذ از تصنیف شیخ الاسلام: "میلاد النبی ﷺ")

30- سالگرہ منانا

بچوں کی سالگرہ منانا بھی اِعترافِ نعمت کی ایک صورت ہے۔ والدین اپنے بچوں کی سالگرہ مناتے ہیں تو اُنہیں چاہیئے کہ اُس دِن شکرانہ اَدا کریں اور غریبوں کو صدقہ دیں کہ اَللہ تعالیٰ نے اُنہیں اُس دِن اَولاد کی نعمت سے نوازا۔ اِسی طرح بڑوں کو اپنی سالگرہ کے دِن اپنے گزرنے والے سال کا اِحتساب کرنا چاہیئے کہ وہ کس قدر اللہ ربّ العزت کے اَحکام پر عمل کر پائے ہیں! اور اگلے سال کے لئے شریعت کے طے کردہ اَوامر ونواہی پر عمل درآمد کے حوالے سے عزمِ نو کیا جائے۔ یومِ وِلادت کو اپنے لئے سلامتی کی دُعا کرنا اَنبیاء کی سنت ہے۔ قرآنِ مجید میں سیدنا عیسیٰؑ کے اَلفاظ یوں وارِد ہوئے ہیں:

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا○ (مریم، 19 : 33)

''اور مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دِن، اور میری وفات کے دِن، اور جس دِن میں زندہ اُٹھایا جاؤں گا○''

31- موسیقی کی شرعی حیثیت

شادی کے موقع پر ڈھول بجانا اور خوشی کے تہواروں کی مناسبت سے صحت مند شاعری اور خوبصورت کلام عمدہ آواز کے ساتھ پڑھنا نیز تفریحی کھیل کود اِسلامی اَحکام کی خلاف ورزی نہیں۔ یہ خوشی کا فطری اِظہار ہے، جس سے لوگوں کو اپنے جذباتِ مَسرت کے اِظہار کا جائز موقع فراہم ہوتا ہے۔ تاہم بعض اِحتیاطی تقاضوں کو بہرصورت پورا کرنا لازمی ہے۔ شائستگی کی حدوں کو پھلانگنے کی اِجازت نہیں دی جا سکتی۔ اِسی طرح لغو، بے ہودہ اور فحش کلام پر مبنی موسیقی سوائے نفسانی اِشتعال کے اور کچھ فائدہ نہیں دیتی، چنانچہ اُس سے کلیتاً اِجتناب برتا جائے۔

خوشی کے مواقع پر پاکیزہ کلام کو گانے کے حوالے سے حدیثِ مبارکہ ملاحظہ ہو، جو صحیح بخاری کی کتاب العیدین میں اُم المومنین سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ عید کا دن تھا اور ہمارے پڑوس کے اَنصار کی دو بچیاں ہمارے گھر میں (یعنی بیتِ نبوت میں) اَنصار کے تاریخی نغمات گا رہی تھیں۔ یومِ بُعاث ایک تاریخی دن تھا، جب لڑائیوں کے ایک سلسلہ میں اَنصار کو فتح ہوئی تھی۔ وہ اُس فتح کی یاد میں تاریخی بہادری اور اَنصار کی جرأت وشجاعت کے بارے میں پاکیزہ کلام پر مبنی نغمے دَف کے ساتھ گا رہی تھیں۔ آقا ﷺ بھی خود گھر میں موجود تھے اور ایک طرف کونے میں سن رہے تھے۔

اِتنے میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ اچانک باہر سے تشریف لائے تو غالباً اُن کی نگاہ حضور ﷺ کی موجودگی پر نہیں پڑی۔ داخل ہوتے ہی اُنہوں نے بچیوں کو دیکھا کہ دَف پر وہ کلام گا رہی ہیں تو دیکھتے ہی اُن کے چہرۂ اَقدس کا رنگ کچھ متغیر ہوا اور اُن کے چہرے پر کچھ ناپسندیدگی اور رنج کا اَثر ظاہر ہوا۔ اِس پر اُم المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے محسوس کیا اور عرض کیا کہ ابا جان! یہ پیشہ ور گانے والی نہیں ہیں، یہ اَنصار کی بچیاں ہیں اور یومِ بُعاث کی یاد میں نغمے گا رہی ہیں۔ آپؓ نے یہ بات سن کر جواب دیا کہ یہ آلاتِ موسیقی اور رسول اللہ ﷺ کے گھر میں بجائے جا رہے ہیں!

اُس وقت تک اُن کی نگاہ حضور ﷺ پر نہیں پڑی تھی کہ حضور خود بھی موجود ہیں۔ اگر اُن کی نگاہ حضور ﷺ پر پڑ چکی ہوتی تو وہ کبھی بھی یہ جملہ نہ بولتے کہ آقا ﷺ خود جو تشریف فرما ہیں۔ پاسِ اَدب میں خاموش رہتے یا براہِ راست حضور ﷺ سے ہی دریافت کرتے۔ جب حضور نبی اَکرم ﷺ نے اُن کا یہ جملہ سنا تو فرمایا:

يَا أَبَابكر! لِكُلِّ قومٍ عِيدٌ وهٰذا عِيدُنَا. (صحيح بخاری، کتاب العيدين)

''اے ابوبکر! ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔''

گویا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! اِنہیں کچھ نہ کہو، ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے، اِس لئے اِنہیں پڑھ لینے دو۔

اِس حدیث میں دو اَقوال ہیں اور دونوں سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک قولِ صدیق اکبرؓ ہے اور دُوسرا قولِ نبوت ﷺ ہے۔ میرا عملی وِجدان اور ذوق وعرفان یہ نکتہ اَخذ کرتا ہے کہ ایک قول سے موسیقی کے حوالے سے نقشبندیت اور قادریت نکل رہی ہے اور دُوسرے قول سے چشتیت اور سہروردیت نکل رہی ہے۔ حضرت اَبوبکر صدیقؓ کے آلاتِ موسیقی دیکھ کر خفا ہونے سے قادریت اور نقشبندیت اُبھر رہی ہے اور آقا علیہ السلام نے جو فرمایا کہ اُنہیں کچھ نہ کہو ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے، اِس قولِ مصطفیٰ ﷺ سے چشتیت اور سہروردیت اُبھر رہی ہے۔

ہر بات میں دو حدیں ہوتی ہیں اور خَيرُ الْأُمُورِ أَوسَطُها (یعنی تمام اُمور میں بہترین درمیانہ راستہ ہوتا ہے۔) یہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ درمیانہ راستہ ہے کہ عید کے دِن اُنہیں گانے سے نہیں روکا بلکہ سیدنا صدیق اکبر کو منع فرمایا کہ اُنہیں گا لینے دو۔ آقا علیہ السلام کے دِین میں بڑی گنجائشیں ہیں، یہ سب ''فَلْيَفْرَحُوا'' کے زُمرے میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر سرزمین مدینہ میں وارِد ہوئے تو آپ کا اِستقبال ہو رہا تھا اور مدینہ کے بچے اور بچیاں دَف لے کر طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا کے نغمے الاپ رہے تھے۔

(ماخوذ از خطاب شیخ الاسلام، خطاب نمبر: Ek-60، سی ڈی نمبر: 424)

اِسلام ایک عملی اور مکمل ضابطہ حیات کا حامل دینِ فطرت ہے، جو رواداری اور اِعتدال پسندی کا داعی ہونے کے ناتے ہر معاملے میں اِعتدال کا عمل دخل چاہتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں واضح طور پر اِرشاد ہے:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ○ (الاعراف، 7: 31)

''اور کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بے شک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○''

نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج بیت اللہ سمیت تمام مذہبی عبادات میں اِعتدال و میانہ روی کا رنگ نمایاں ہے۔ ایسے مواقع بھی ہیں جن میں شریعت نے نماز کی ادائیگی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ روزے کی ادائیگی میں شدت کو سحری میں

تاخیر اور اِفطار میں جلدی سے اِعتدال پر لایا جاتا ہے۔ شریعت نے سحر اور اِفطار کے بغیر مسلسل روزے کی حالت میں رہنے پر سخت قدغن عائد کر رکھی ہے۔ اِسی طرح ہر فرد کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عصمت و آبرو کے تحفظ کی خاطر نکاح کے ذرِیعے باہمی رشتۂ اِزدواج قائم کرے تاکہ وہ اپنے فطری اور حیاتیاتی تقاضوں کی تکمیل کر سکے۔ اَللہ کی راہ میں خرچ کرنا مستحب اور پسندیدہ عمل ہے، لیکن اُسے بھی توازن برقرار رکھنے کے لیے حدود و قیود کا پابند کیا گیا ہے تاکہ ایک متوازن راہِ عمل کو یقینی بنایا جا سکے اور کوئی بلادریغ اپنا سب کچھ خرچ کر کے خود بھیک مانگنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما رِوایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ اِرشاد فرمایا:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِی قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِن کِبرٍ۔

’’جس کے دل میں رتی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔‘‘

ایک آدمی نے عرض کیا:

اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ أَنْ یَکُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً۔

’’آدمی چاہتا ہے کہ اُس کے کپڑے اچھے ہوں اور اُس کا جوتا عمدہ ہو۔‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ جَمِیلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ، اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ۔

(صحیح مسلم، 1 : 93، رقم : 91)

’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ غرور و تکبر سچائی سے اِنحراف اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کے مترادف ہے۔‘‘

قرآن حکیم نے گدھے کے ہنہنانے کی آواز کو مکروہ ترین قرار دیا ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ أَنْکَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیرِo **(لقمان، 31 : 19)**

’’بے شک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہےo‘‘

ترنم اور نغمگی پر مشتمل عمدہ آواز کی سماعت سے کیف و لذت حاصل کرنا اِنسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔

اِسی بنا پر آقائے دوجہاں ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام قرآنِ حکیم کو خوبصورت آوازوں سے مزین کر کے پڑھنے کی ترغیب دی۔

ترنم اور حسنِ قرأت کے ساتھ تلاوتِ قرآنِ حکیم کی ترغیب اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ تاجدارِ کائنات ﷺ کو خوش اِلحانی اور عمدہ آواز اِنتہائی پسند تھی، جس سے اِس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عمدہ آواز، نغمگی، ترنم اور خوش اِلحانی......جس سے کان محظوظ ہوتے ہوں اور دِل و دِماغ پر کیف و سرور کا اَثر ہوتا ہو......جائز ہے۔

اَز رُوئے عقل و منطق بھی یہ بات درست ہے کہ خوبصورت اور سُریلی آواز سننا کوئی ناجائز کام نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تخلیق کے اِعتبار سے ہر اِنسان کو اپنے گرد و پیش سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے حواسِ خمسہ......آنکھ، کان، ناک، زبان اور ہاتھ......عطا کیے ہیں۔ ہر حاسہ کا ایک محدود دائرہ کار متعین فرمایا ہے، جو اپنی صلاحیت کے مطابق شعور و آگہی حاصل کرتا ہے۔ جس طرح حواس اپنے اپنے دائرہ کار میں چیزوں کا اِدراک کرتے ہیں اور یہ اِدراک اُنہیں لذت آشنا بھی کرتا ہے، اِسی طرح کان بھی عین فطرت کے مطابق ترنم اور خوش کن آوازوں سے لذت حاصل کرتے ہیں اور اِنسانی دِل و دِماغ پر اُس کا اَثر ہوتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے عطا کی ہوئی اچھی اور مترنم آواز مخلوق پر اِحسانِ عظیم ہے، اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ. (فاطر، 35 : 1)

’’تخلیق میں جس قدر چاہتا ہے اِضافہ (اور توسیع) فرماتا رہتا ہے۔‘‘

مفسرینِ کرام نے اِس آیتِ مبارکہ میں مَا يَشَآءُ سے مراد حواسِ خمسہ سے حاصل ہونے والی لذت لیا ہے، جس میں حسنِ صوت بھی شامل ہے۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے مفسرین نے بیان کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ قال: الصوت الحسن.

(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، 8 : 260)

’’تخلیق میں جس قدر چاہتا ہے اِضافہ (اور توسیع) فرماتا رہتا ہے سے مراد اچھی آواز ہے۔‘‘

اِمام رازی نے ’’التفسیر الکبیر (2 : 445)‘‘ میں لکھا ہے:

ومنهم من قال الصوت الحسن.

''اور بعض مفسرین نے اِس سے مراد عمدہ آواز لیا ہے۔''

اِمام اِبن کثیرؒ نے بھی ''تفسیر القرآن العظیم (6 : 532)'' میں ابن جریجؒ کے حوالے سے اِس کا معنی حسن الصوت (عمدہ آواز) کیا ہے۔

تفسیر قرطبی، تفسیر بغوی، تفسیر اِبن اَبی حاتم، تفسیر بحر المحیط، تفسیر فتح القدیر، تفسیر اللباب، تفسیر خازِن، تفسیر ثعالبی؛ الغرض اکثر مفسرین کرام نے **يَزِيْدُ فِی الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ** کا معنی 'عمدہ آواز' کیا ہے، جبکہ اُس کا معنی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اِنسان کے ظاہری حواسِ خمسہ کی صلاحیتیں بڑھاتا رہتا ہے۔

اَنبیاءِ کرام علیہم السلام کی خوش آوازی

خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ جائز کلام سننے کا جواز اَنبیاءِ کرام علیہم السلام کے خوش اَلحان ہونے سے بھی ثابت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا بعث اللّٰهُ نبياً اِلَّا حسن الصوت۔ (ابن عساکر، تاريخ دمشق الکبير، 4 : 6)

''اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا اُنہیں خوش آوازی عطا فرمائی۔''

دِیگر محدثینِ کرام بشمول حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نوادرُ الاصول فی اَحادیثِ الرسول ﷺ (3 : 33)'' میں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''عمدۃُ القاری شرح صحیح البخاری (19 : 176)'' میں اَنبیاء علیہم السلام کے حسن الصوت کی روایت نقل کی ہے۔

جملہ اَنبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ ربّ العزت نے کسی نہ کسی خاص خوبی سے نوازا، جو اُن کی خصوصیت قرار پائی۔ اُن میں سیدنا داؤد علیہ السلام کو اللہ ربّ العزت نے اِمتیازی خوبی لحن یعنی خوش آوازی عطا فرمائی، جو رہتی دُنیا تک ''لحنِ داؤدی'' کے نام سے زبان زدِ خاص و عام ہے۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اَشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

يَا أَبَا مُوسَى! لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَاراً مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ ۔

(صحیح بخاری، 4 : 1925، رقم: 4761)

(صحیح مسلم، 1 : 546، رقم: 793)

’’اَے اَبو موسیٰ! تحقیق تجھے آلِ داؤد علیہ السلام کی خوش اِلحانی میں سے حصہ عطا کیا گیا ہے۔‘‘

سیدنا داؤد علیہ السلام جب اپنی مترنم آواز سے اَللہ کا ذِکر کرتے تو پہاڑ آپ کے ساتھ ہم آواز ہو جاتے، کیونکہ وہ داؤد علیہ السلام کی آواز کے زیروبم کو سمجھتے تھے۔ اِس ضمن میں قرآنِ حکیم فرماتا ہے:

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِO وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌO وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِO (ص، 38 : 18 تا 20)

’’بیشک ہم نے پہاڑوں کو اُن کے زیرفرمان کر دیا تھا، جو (اُن کے ساتھ مل کر) شام کو اور صبح کو تسبیح کیا کرتے تھےO اور پرندوں کو بھی جو (اُن کے پاس) جمع رہتے تھے، ہر ایک اُن کی طرف (اِطاعت کے لیے) رجوع کرنے والا تھاO اور ہم نے اُن کے ملک وسلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور ہم نے اُنہیں حکمت و دانائی اور فیصلہ کن اندازِ خطاب عطا کیا تھاO‘‘

سیدنا داؤد علیہ السلام کی موسیقی بھری ترنم آفریں آواز جو وہ ذِکرِ اِلٰہی کرتے ہوئے اَللہ تعالیٰ کی مدح و ثنا میں بلند کرتے تو اُسے سن کر پہاڑ بھی اُن کی آواز میں آواز ملا کر لقمہ ریز ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ایسی آواز سے نواز رکھا تھا جو دِیگر تمام آوازوں پر برتری اور فوقیت رکھتی تھی۔ جب وہ اپنے شیریں ترنم سے زبور کی تلاوت کرتے تو جنگلی جانور اُن کے اِس قدر قریب آ جاتے کہ وہ اُنہیں گردن سے پکڑ سکتے۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، : 2105)

(التفسیر الکبیر للرازی، 26 : 186)

حضرت داؤد علیہ السلام کی شیریں اور دِل کو موہ لینے والی آواز عطیۂ خداوندی تھا، جس سے یہ بات بغیر کسی شک و شبہ کے ثابت ہو جاتی ہے کہ اَللہ تعالیٰ کی مدح سرائی میں اچھی آواز کا اِستعمال اَجر و ثواب اور اِنعام کا باعث ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ روزِ قیامت اَللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دے گا کہ اُسی خوش اِلحانی کے ساتھ اہلِ

محشر کے سامنے میری تقدیس بیان کرو، جیسے دُنیا میں تم تورات کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

اِس میں کوئی حرج نہیں کہ پُرمَسرت مواقع پر مترنم آوازوں کی مہارت اور ہنر کا اِستعمال عمل میں لایا جائے۔ اِس بات کی تائید اَحادیثِ نبوی ﷺ سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ربیع بنت معاوض بن عرفہ بیان کرتی ہیں:

''حضور نبی اَکرم ﷺ میری شادی کے موقع پر تشریف لائے اور دُوسرے اَعزاء و اَقارب کی طرح میرے بستر پر فروکش ہوگئے۔ اِتنے میں ہماری اَنصار بہنیں دَف پر کوئی گیت گانے لگیں، وہ شہدائے بدر کی تعریف میں نغمہ سرا تھیں۔ جب ہم میں سے ایک لڑکی کی نظر حضور نبی اَکرم ﷺ پر پڑی تو وہ آپ کے لیے مدح سرا ہوگئی۔ اِس پر آپ ﷺ نے اُسے روکا اور فرمایا کہ وہ وُہی گیت جاری رکھیں جو وہ گا رہی تھیں۔''

(صحیح بخاری، 4 : 1469، رقم: 3779)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اَکرم ﷺ نے فرمایا:

أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ

(جامع الترمذی، 3 : 398، رقم: 1089)

''نکاح کی تشہیر کرو، مسجدوں میں نکاح کرو اور اُن مواقع پر دَف بجایا کرو۔''

حلال و حرام میں فرق ہی نغمہ مَسرت اور دَف بجانے سے ہے۔ دَف بجانے اور شادِی کے خوب صورت گیتوں کے ذریعے نکاح کے کھلے عام اِعلان سے حلال اور حرام کا فرق واضح ہوتا ہے۔ محمد بن حاطب؄ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''حلال اور حرام (نکاح) کے مابین فرق آواز کا ہے، یعنی (حلال نکاح کا اِعلان) دَف بجا کر کیا جاتا ہے، (جبکہ حرام چوری چھپے اور خاموشی سے کیا جاتا ہے)۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ، 3 : 2945)

(مستدرک حاکم، 1 : 201 رقم : 32750)

بعض کم علم لوگ شادی اِتنی خاموشی سے کرتے ہیں کہ نہ دَف کی آواز اور نہ نغماتِ مَسرت؛ اور اُسے نیکی اور

پرہیزگاری سمجھتے ہیں، حالاں کہ نیکی اور پرہیزگاری حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ماننے میں ہے نہ کہ ترک کرنے میں۔ شادی کے موقع پر مکمل خاموشی اِختیار کرتے ہوئے یہ رسم سرانجام دینا سنت کی خلاف ورزی کے مترادف ہے، کیونکہ سنتِ نبوی نے جائز شادی اور بدکاری کے درمیان حدِ فاصل کھینچ دی ہے۔ اِس قانونی شق نے اِس نکتے کو بڑی صراحت سے واضح کر دیا ہے کہ شادی کا اِعلانِ عام کیا جائے تاکہ لوگ یہ بات بخوبی جان سکیں کہ فلاں مرد اور فلاں عورت کا ایک دُوسرے کے ساتھ خاوند اور بیوی کا رشتہ ہے۔ اِس مقصد کو شادی کے گیت گانے اور دَف بجانے کے معروف طریقے سے اچھی طرح حاصل کیا جاتا ہے۔ مزید برآں خوشی اور شادمانی کے اَیسے مواقع پر اِعلان کرنا اِظہارِ مَسرت کا فطری طریقہ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک اَنصاری لڑکی کی شادی تھی۔ اُس موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کے گیت گانے کے بارے میں دریافت فرمایا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیثِ مبارکہ کے اَلفاظ اِس طرح ہیں:

كان في حجري جارية من الأنصار، فزوجتها ۔ قالت: فدخل على رسول الله ﷺ يوم عرسها، فلم يسمع غناء ولا لعبا. فقال: يا عائشة! هل غنيتم عليها؟ أو لاتغنون عليها؟ ثم قال: هن هذا الحي من الأنصار يحبون الغناء ۔ (صحيح ابن حبان، 13 : 18)

''میرے پاس ایک اَنصاری لڑکی رہا کرتی تھی، میں نے اُس کی شادی کروائی۔ وہ فرماتی ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ اُس کی شادی کے روز میرے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے کوئی نغمہ سنا نہ کوئی تفریح دیکھی۔ اِس پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: اَے عائشہ! تم اُس کے لیے شادی کے گیت کا اِہتمام کر چکے ہو؟۔ یا فرمایا: کیا تم اُس کے لیے شادی کے گیت کا اِہتمام نہیں کرو گے؟ پھر فرمایا: یہ اَنصاری قبیلہ ایسے مواقع پر ترنم کے ساتھ کلام سننا پسند کرتا ہے۔''

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

أَنْكَحَتْ عَائِشَةُ ذَاتَ قَرَابَةٍ لَهَا مِنَ الأَنْصَارِ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صلى اللهُ عليه وآله وسلم، فَقَالَ : أَهَدَيْتُمُ الْفَتَاةَ ۔ قَالُوا: نَعَم. قَالَ: أَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مَنْ يُغَنِّ؟ قَالَتْ: لَا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ

صَلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : إِنَّ الْأَنْصَارَ قَوْمٌ فِيهِمْ؟ غَزَلٌ، فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَقُولُ: أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ، فَحَيَانَا وَحَيَاكُمْ.

(سنن ابن ماجه، 1 : 612، رقم : 1900)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے قریبی ایک اَنصاری لڑکی کی شادی کا اِہتمام کیا۔ اِس موقع پر حضور نبی اَکرم ﷺ تشریف لائے اور پوچھا: کیا تم نے دُلہن کو تیار کر لیا ہے؟ اُنہوں نے اِثبات میں جواب دیا۔ اِس پر آپ ﷺ نے مزید دریافت فرمایا: کیا تم نے شادی کا گیت سنانے کے لیے کسی کا بندوبست کیا ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نفی میں جواب دیا، تو اُس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ جملہ اِرشاد فرمایا: اَنصار لوگ ترنم کے ساتھ کلام سننا پسند کرتے ہیں، بہتر ہے کہ تم کسی خوش آواز کا اِنتظام کرو جو یہ کہے کہ ''ہم آپ کے پاس آئے ہیں، ہم آپ کے پاس آئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عمر دراز عطا فرمائے۔''

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

دَخَلْتُ عَلَى قُرَظَةَ بنِ كَعبٍ وَأَبِي مَسعُودٍ الأَنصارِيِّ فِي عُرسٍ وَإِذَا جَوَارٍ يُغَنِّينَ، فَقُلتُ: أَنتُمَا صَاحِبَا رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم وَمِن أَهلِ بَدرٍ، يُفعَلُ هٰذَا عِندَكُم؟ فَقَالَ: اِجلِسْ إِنْ شِئْتَ فَاسْمَعْ مَعَنَا، وَإِنْ شِئْتَ اذْهَبْ، قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِي اللهِ وِعِندَ العُرسِ.

(سنن نسائی، 6 : 135، رقم : 3383)

''میں قرظہ بن کعبؓ اور حضرت ابومسعود انصاریؓ کے پاس ایک شادی میں حاضر ہوا، جہاں بچیاں ترنم کے ساتھ شادی کا نغمہ سنا رہی تھیں۔ میں نے حیرت سے کہا: تم دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کے اَصحاب اور اہلِ بدر میں شامل ہو اور تمہاری موجودگی میں یہ کام ہو رہا ہے! وہ دونوں صحابہ فرمانے لگے: اگر تمہارا جی چاہے تو تم ہمارے ساتھ بیٹھ کر سنو وگرنہ چلے جاؤ، ہمیں شادی میں تفریح کی رخصت دی گئی ہے، (کیونکہ شادی ایک خوشی ہے اور اُس میں مباح تفریح کی اجازت ہے)۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک اور حدیث میں وہ بیان فرماتی ہیں:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ، فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ. وَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ، فَانْتَهَرَنِي، وَقَالَ: مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: دَعْهُمَا، فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا. وَكَانَ يَوْمَ عِيْدٍ يَلْعَبُ السُّوْدَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ. فَإِمَّا سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَإِمَّا قَالَ: تَشْتَهِيْنَ تَنْظُرِيْنَ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ. فَأَقَامَنِي وَرَائَهُ خَدِّي عَلَى خَدِّهِ، وَهُوَ يَقُوْلُ: دُوْنَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ حَتَّى إِذَا مَلِلْتُ قَالَ: حَسْبُكِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: فَاذْهَبِي.

(صحیح بخاری، ۱: ۳۲۳، رقم: ۹۰۷)

’’حضور نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس دو لڑکیاں جنگ بعاث (دو انصاری قبیلوں خزرج اور اَوس کے درمیان زمانہ جاہلیت کی رزمیہ کہانی) کے ترانے گا رہی تھیں۔ آپ ﷺ بستر پر لیٹ گئے اور منہ دوسری طرف کر لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور اُنہوں نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس شیطانی باجہ! رسول اللہ ﷺ نے اُن کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: اُنہیں کرنے دو۔ جب اُن کی توجہ ہٹ گئی تو میں نے لڑکیوں کو چلے جانے کا اِشارہ کیا۔ یہ حبشیوں کی عید کا دِن تھا، جو ڈھالوں اور برچھیوں سے تفریح دِکھاتے تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا آپ نے خود فرمایا: کیا تم دیکھنا چاہتی ہو؟ میں عرض گزار ہوئی: جی۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور میرا رخسار آپ ﷺ کے رخسار پر تھا اور آپ ﷺ فرماتے: اَے بنی اَرفدہ! مزید دِکھاؤ۔ یہاں تک کہ جب میں اُکتا گئی تو مجھ سے فرمایا: بس؟ عرض کی: جی۔ فرمایا: تو پھر جاؤ۔‘‘

قرآنی اِرشادات اور فرمودات ِنبوی ﷺ کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ شادی کے مواقع پر ڈھول بجانا اور خوشی کے تہواروں کی مناسبت سے صحت مند شاعری اور خوبصورت کلام عمدہ آواز کے ساتھ پڑھنا نیز تفریحی کھیل کود اِسلامی اَحکام کی خلاف ورزی نہیں، یہ عمل حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت بھی رہا ہے۔ یہ خوشی اور مَسرت و شادمانی کا فطری اور بے ساختہ اِظہار ہے، جس سے لوگوں کو اپنے جذباتِ طرب و مَسرت کے اِظہار کا جائز موقع فراہم ہوتا ہے۔ یہ لوگوں کی ثقافتی ضرورت بھی ہے، خاص طور پر اُن کی جو دُکھوں اور غموں سے پریشان حال ہوتے ہیں۔ ہر چیز جو قرآن و سنت سے مطابقت رکھتی ہے، قابلِ تحسین ہے اور اُس پر کسی مزید جواز کی ضرورت نہیں کہ لوگوں کے جائز جذباتِ مَسرت پر کوئی سند لائی جائے۔ تاہم بعض اِحتیاطی اور

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

اِنسدادی تقاضوں کو بہر صورت پورا کرنا لازمی و لابدی ہے۔ شائستگی کی حدوں کو پھلانگنے کی اِجازت نہیں دینی چاہیے اور اِس بات کا خیال رکھا جائے کہ لغو، بے ہودہ اور فحش باتوں سے اِجتناب برتا جائے اور مخلوط اِجتماعات سے گریز کیا جائے کیوں کہ اِسلام اَخلاق، میانہ روی اور توازُن کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اِجازت نہیں دیتا۔ اِس لیے اَیسے مواقع پر اچھائی اور نیکی کے کاموں سے پہلو تہی ہرگز نہ کی جائے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: سی ڈی نمبر 757 اور www.minhaj.org/uid/11460)

32- معاشرتی برائیوں سے کیسے بچیں؟

دُنیا ایک گلوبل ولیج بن چکی ہے اور کمیونیکیشن اِتنی وسیع اور تیز رفتار ہوگئی ہے کہ اُس کی وجہ سے کوئی بھی خبر سیکنڈز کے اندر اندر پوری دُنیا میں پھیل جاتی ہے۔ یوں خیر اور شر کے اَثرات بھی تیز تر ہو گئے ہیں۔ پچھلی صدیوں میں ایک شہر کے لوگ دُوسرے شہر کے حالات، کلچر، رہن سہن، اچھائی و برائی، نیکی و بدی سے آگاہ نہیں ہوتے تھے۔ لوگوں کا تعلق اپنے اپنے شہروں اور علاقائی ماحول تک رہتا تھا۔ اُس زمانے ہندوستان کے لوگوں کی خبر عالمِ عرب کو نہ تھی، عرب کے اَحوال کی خبر ہند کو نہیں تھی۔ وسطی ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ ایک دُوسرے سے بے خبر ہوتے تھے۔ دُنیا میں ہونے والی ڈویلپمنٹ کے ماحولیاتی اَثرات علاقائی ہوتے تھے۔ بعض اَوقات آس پاس کے شہروں سے آگے کی خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ تب لوگوں کو خیر کی طرف بلانے والے اَفراد بھی اپنے اپنے علاقوں کی سطح پر حلقات، خانقاہیں اور مراکز بنا کر دین کی ترویج کا کام کرتے تھے۔ چونکہ ہر علاقے میں شر کا پھیلاؤ مقامی سطح تک رہتا تھا اِس لئے اُس کے علاج کے لئے مقامی سطح کی کوششیں ہی کارگر رہتی تھیں۔

بیسویں صدی سے شروع ہونے والا ٹیکنالوجی کا حالیہ عروج دُنیا کو گلوبل وِلیج بنا چکا ہے۔ جس طرح ایک زمانے تک لوگ اپنے قصبے، گاؤں یا شہر کی حد تک ایک دُوسرے سے اچھے اور برے اَثرات کو قبول کرتے تھے، اُسی طرح اَب پوری دُنیا ایک گاؤں بن گئی ہے اور لوگ پورے عالم کے اَثرات لیتے ہیں۔ جو کچھ آج کل امریکہ میں ہو رہا ہے لاہور میں بیٹھا شخص اُس کا فوری اَثر لے رہا ہے۔ ذرائع اِبلاغ، اِلیکٹرانک میڈیا، ٹی وی، کمپیوٹر، اِنٹرنیٹ اور موبائل تیزی سے مشرق و مغرب کو باہم ملا رہے ہیں۔ ایک چھوٹی سی سکرین آپ کے سامنے ہے اور آپ اُسی پر ساری دُنیا کو دیکھ رہے ہیں کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔ خیر بھی اُسی پر آ رہا ہے اور شر بھی بلا روک ٹوک اُسی پر آ رہا ہے۔ اَب

ساری دُنیا کی معلومات، اَحوال اور اَثرات سمٹ کر موبائل فون کی صورت میں آپ کے ہاتھ میں آ جاتے ہیں۔ آنے والے وقت میں ٹی وی کے مختلف چینلز کے کنکشن لینے کی زحمت بھی ختم ہو جائے گی، ٹی وی چینلز بھی کمپیوٹرز اور موبائل پر بآسانی دستیاب ہوں گے۔

ٹیکنالوجی کے فروغ سے جہاں اِنسانیت کو اُس کے خوشگوار اَثرات مل رہے ہیں اُس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ منفی اَثرات اور نقصان دِہ پہلو پھیل رہے ہیں۔ پرانے دَور میں والدین بچوں کو برے دوستوں کی صحبت سے بچانے کے لئے گھر سے باہر جانے سے روکتے تھے، اَب ہر قسم کی اچھی و بری صحبت اُنہیں گھر میں اسٹڈی ٹیبل پر میسر ہے۔ بچوں کے کمرے میں پڑا کمپیوٹر اُنہیں اچھے برے ہر قسم کے دوستوں سے چند سیکنڈز میں ملا دیتا ہے۔ بچوں کا کمپیوٹر اور موبائل ہی اُن کی صحبت ہے، اچھا اِستعمال کر لیں یا برا۔ یوں اَب گھر میں بیٹھ رہنے سے بری صحبت سے بچنا ممکن نہیں رہا، جو چاہیں سن لیں، دیکھ لیں، جس سے چاہیں بات کر لیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی سے جہاں ذرائع بڑھ گئے ہیں، وہاں برائی بھی اُتنی ہی طاقتور ہوگئی ہے۔ پرانے دَور میں لوگوں کو شر سے بچنے کے لئے تنہائی اور خلوت کا سبق دیا جاتا تھا، اَب خلوت خود جلوت ہوگئی ہے، تنہائی خود صحبت اور مجلس بن گئی ہے، کوئی بچ کے جائے تو کہاں جائے! اب صحبتِ بد سے پرانے اَنداز میں بچنے کی کوششیں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔

دورِ جدید کی یہ تمام سہولتیں اُٹھا کے گھر سے باہر پھینکنا یا پھر بستر بوریا اُٹھا کر جنگلوں غاروں میں جا کر رہنا بھی ممکن نہیں ہے۔ اَب سوال یہ ہے کہ اِسی دُنیا میں رہتے ہوئے اور حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اَیسا کون سا طریقہ اپنایا جائے کہ ہم خود اور ہماری اگلی نسلیں صحبتِ بد کے اَثرات سے بچ سکیں اور ہمارا دِین و اِیمان محفوظ رہے!! اِس کا صرف اور صرف ایک ہی حل ہے، وہ یہ کہ ہر قسم کی صحبتِ بد کے اَثرات کا اِزالہ صحبتِ نیک کے ذریعے ہی ممکن ہے، اِس کے علاوہ اور کوئی طریقہ ممکن نہیں۔ قرآنِ مجید میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ○ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ ○ (القرآن، الفاتحه، ۱ : ۵ - ۷)

’’ہمیں سیدھا راستہ دکھا ○ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اِنعام فرمایا ○ اُن لوگوں کا نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ (ہی) گمراہوں کا ○‘‘

قرآنی حکم کے مطابق صحبتِ بد کے توڑ کے لئے صحبتِ صالح کو اِختیار کر لیا جائے تو بری صحبت کے اَثرات سے بچا جا سکتا ہے۔ جتنا صحبتِ صالح طاقتور ہو گی اُسی قدر بندہ صحبتِ بد کے اَثرات سے بچ سکے گا۔ جتنے مختلف اَقسام کے حملے دِین و اِیمان پر ہو رہے ہیں اُن تمام حملوں کے مقابلے کے لئے ایسی طاقتور نیک صحبت کی ضرورت ہے جو بری صحبت کے تمام حملوں سے بچا سکے۔ اگر ہم ایسی نیک صحبت اِختیار کر لیتے ہیں جس کے پاس دِفاع کی صورت تو ہے مگر ہتھیار صرف ایک ہی ہے۔ سو (100) ہتھیاروں سے حملہ آور صحبتِ بد کے مقابلے کے لئے ایک ہتھیار سے مقابلہ ممکن نہیں رہے گا۔ اِیمان پر حملے کئی اَقسام کے ہیں اِس لئے اُن سے بچانے کے لئے ایسی نیک صحبت کی ضرورت ہے جو ہر قسم کے حملوں سے بچا سکے۔ اگر صحبتِ بد کا حملہ دِماغ پر ہو تو صحبتِ نیک اُسے عقل و فہم کے ذریعے بچا سکے، اگر اُس صحبت کا اَثر ہمارے دِل پر ہو جائے تو جذباتی طریق سے بھی اُس سے بچاؤ کیا جا سکے، اگر اُس کے اَثرات ہمارے عمل پر ہو جائیں تو عملی طریق سے بھی بچاؤ کا سامان ہونا چاہیئے، اگر نفسیاتی حملہ ہو تو نفسیاتی سطح پر بھی اُس سے دِفاع کا سامان ملنا چاہیئے، اگر اَخلاقی حملہ ہے تو اَخلاقی سامان ملنا چاہیئے، اگر صحبتِ بد کا حملہ رُوحانی نوعیت کا ہے تو رُوحانی علاج کا سامان بھی ہونا چاہیئے، سماجی و معاشرتی اَثرات ہو رہے ہوں تو سماجی و معاشرتی دِفاع ہونا چاہیئے۔ اَلغرض آج کے دَور میں ہمہ جہتی حملوں کے مقابلے میں صحبتِ خیر کے پاس ہمہ جہتی دِفاعی نظام ہونا چاہیئے تاکہ صحبتِ بد جس اَنداز سے بھی اِیمان پر حملہ آور ہو وہ اُسے متعلقہ ہتھیار کے ساتھ تباہی سے بچا سکے۔ جس زمانے صرف ٹینک سے جنگ ہوتی تھی تب ٹینک کا جواب ٹینک سے دینا ممکن تھا، جب ائیرفورس کا زمانہ آ گیا تو ٹینک سے اُس کا حملہ روکنا ممکن نہیں رہا۔ اَب ضروری ہے کہ صحبتِ صالح کے پاس ہر قسم کے حملوں سے دِفاع کا اِنتظام ہو جن سے اِس جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے دَور میں نئی نسلوں کو سابقہ پڑ رہا ہے اور اَیسی جامع اور ہمہ گیر نیک صحبت ہی ہمیں بری صحبت کے اَثرات سے بچا سکتی ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1065)

33- رِشوت خوری

رِشوت لینا اور دینا دونوں اِسلام کے نزدیک اِنتہائی ناپسندیدہ ہیں۔ اللہ ربّ العزت نے قرآنِ مجید میں فرمایا:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ

بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo (البقرة، 2 : 188)

’’اور تم ایک دُوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطورِ رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالاں کہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)o‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الراشي والمُرتشي في النار. (طبراني، 1 : 57، رقم: 58)

’’رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا (دونوں) جہنمی ہیں۔‘‘

لعنةُ اللهِ علی الراشي والمُرتشي. (ابن ماجه، 2 : 275، رقم: 2313)

’’رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے (دونوں) پر اللہ کی لعنت ہے۔‘‘

لعن اللهُ الراشي والمُرتشي. (مسند أحمد بن حنبل، 2 : 387، رقم: 9011)

’’اللہ تعالیٰ نے رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔‘‘

لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي. (ترمذي، 3 : 623، رقم: 1337)

’’رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔‘‘

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ’’اِسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اُصول‘‘)

34- داڑھی کی شرعی حیثیت

اِسلام دینِ فطرت اور دینِ اِعتدال و توازُن ہے اور قرآن و حدیث کی تعلیمات میانہ روی کی تعلیم سے بھری پڑی ہیں۔ مگر ہمارے عمومی رویئے ہر معاملے کو اِنتہاپسندانہ اَنداز میں اُلجھا رہے ہیں اور فرائض کو چھوڑ کر سنتوں اور نوافل کے پیچھے بھاگنا قومی سطح پر ہمارا معمول بن چکا ہے۔ ہم اِس دوڑ میں یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ ’’داڑھی اِیمان میں ہے، اِیمان داڑھی میں نہیں‘‘۔ سب سے پہلے کسی کا صاحبِ اِیمان ہونا ضروری ہے، پھر اُس کے بعد فرائض و

واجبات کی ادائیگی لازمی ہے، داڑھی کا معاملہ تو بعد میں جا کر اپنے درجے میں آتا ہے، مگر ہمارا آغاز ہی ظاہری حلیئے سے ہوتا ہے۔ اگر کسی کا ظاہر اِسلامی حلیئے کے مطابق نظر آئے تو ہم اُسے پکا مومن سمجھتے ہیں، خواہ وہ اپنے کاروبار کے لئے جھوٹ اور دھوکہ دہی سے کام لیتا پھرے۔

یہ دورِ زوال کا المیہ ہے کہ ایک طرف تو ہم بحیثیتِ قوم فرائض سے پہلوتہی کی بھی پروانہیں کرتے جب کہ دُوسری طرف سنتوں اور نوافل پر بھی خوب زور دیتے ہیں۔ ہر نمازِ جنازہ کے موقع پر صفوں کی تعداد طاق رکھنے پر زور دینا سب کو یاد رہتا ہے، مگر اِس بات کی کوئی پروانہیں کرتا کہ کتنے لوگوں کو جنازہ کی دُعا یاد ہے۔ اَب تو اِس قدر جہالت عام ہے کہ لوگ بغیر وضو نمازِ جنازہ میں شریک ہونے کو جائز سمجھنے لگے ہیں اور ہم صفیں گننے میں مصروف ہیں۔

مطلقاً داڑھی رکھنا اور اُس کا مونچھوں سے بڑھانا سنتِ مؤکدہ ہے اور اُس کی مقدار کا قبضہ بھر ہونا سنتِ غیر مؤکدہ ہے۔ داڑھی کی مقدار سنتِ مؤکدہ کے ضمن میں نہیں آتی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ثابت ہے کہ جب اُن کی داڑھی قُبضہ سے بڑھ جاتی تھی تو وہ کٹوا دیتے تھے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اُس سے کم ہونے کو ناجائز سمجھتے تھے، بلکہ ظاہرِ نص سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قُبضہ سے زیادہ بڑی داڑھی رکھنا جائز نہیں، کیوں کہ وہ کٹوا دیتے تھے۔ قُبضہ سے چھوٹی داڑھی رکھنے پر گناہ ہونا تو اُس حدیث میں بیان نہیں ہوا۔ میری نظر میں آج تک ایک حدیثِ صحیح بھی اِس معنی میں نہیں گزری کہ اگر داڑھی قُبضہ سے کم ہو تو یہ حرام ہے یا قُبضہ سے کم ہو تو داڑھی داڑھی ہی نہیں ہے۔ جس حدیث سے داڑھی کا سائز قُبضہ بھر ہونا ثابت کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب اُن کی داڑھی بڑھتی تو وہ اُسے دائیں بائیں سے کٹوا دیتے، آقا ﷺ کا بھی تذکرہ آیا ہے اور صحابۂ کرامؓ کا تذکرہ بھی آیا ہے، دو صحابۂ کرامؓ سے مروی ہے۔ ایک تو وہ حدیث خبرِ واحد ہے، دُوسرے واضح اَلفاظ میں بیان ہو رہا ہے کہ بڑھتی تو وہ کٹوا دیتے تھے، سو اُس سے اِستنباط یہ ہوتا ہے کہ قُبضہ برابر رکھنے کا معمول تھا۔ مگر قُبضہ سے کم رکھنے کا حرام ہونا، یا ناجائز ہونا، مکروہ ہونا، حضور ﷺ کا ناپسند کرنا یا چھوٹی داڑھی رکھنے سے منع فرمانا یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا، اِس معنی و مفہوم کی ایک صحیح حدیث بھی میری نظر سے نہیں گزری۔

اگر کوئی داڑھی بڑھائے اور مونچھیں کٹوائے تو اُس نے آقا ﷺ کی مطلقاً سنت پہ عمل کر لیا اور اُسے سنت کا ثواب ملے گا۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض دِیگر صحابہ کا قُبضہ سے بڑھنے والی داڑھی کا کٹوانا ثابت ہے، اِس لئے اِس حدیث سے یہ اِستنباط ہوتا ہے۔ اگر تو اُس ظاہرِ نص کو لے لیا جائے تو پھر جس طرح بعض لوگ قُبضہ سے کم

مقدار رکھنے کو گناہ کہتے ہیں تو قُبضہ سے بڑھانا بھی اُتنا ہی گناہ ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں اُن مشائخ و علماءِ کرام کا کیا بنے گا جن کی داڑھیاں قُبضہ سے بڑی ہیں، تو کیا وہ سب گناہ گار ٹھہریں گے! اگر بغیر دلیلِ شرعی کے چھوٹی داڑھی رکھنا فسق اور خلافِ سنت قرار دے دیا جائے تو اُسی حساب سے قُبضہ سے بڑھی داڑھی رکھنا بھی فسق اور گناہ ہونا چاہیئے کیوں کہ صحابہ کرامؓ تو کٹوا دیتے تھے۔ اگر دلیلِ شرعی کے بغیر چھوٹی داڑھی کو گناہ ثابت کریں گے تو اُس کے بالعکس بھی گناہ ہی ثابت ہوگا، لہٰذا یہ طریقِ اِستنباط درست نہیں ہے۔

قُبضہ سے بڑھنے والی داڑھی کے کٹوا دینے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے نزدیک اَحسن طریق قُبضہ کے برابر داڑھی رکھنا تھا۔ اَب یہ تو کسی صحابی نے نہیں فرمایا کہ آقا ﷺ نے حکم دیا ہے کہ قُبضہ کے برابر رکھا کرو، کسی حدیثِ صحیح میں حضور ﷺ کا اَیسا حکم ثابت نہیں ہے۔ جب حضور ﷺ کا حکم ثابت نہ ہو تو وہ سنتِ مؤکدہ نہیں بن سکتی، کیوں کہ سنتِ مؤکدہ ثابت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حکم ہو اور اُس کی تاکید بھی ثابت ہو، تب سنتِ مؤکدہ ثابت ہوتی ہے۔ اگر نبی اَکرم ﷺ نے بار بار قُبضہ سے کم داڑھی رکھنے سے منع فرمایا ہوتا، یا چھوٹی داڑھی کو خلافِ سنت قرار دیا ہوتا، یا چھوٹی داڑھی رکھنے کو متعدد اَحادیث میں گناہ کا عمل فرمایا ہوتا تو قُبضہ کی مقدار سنتِ مؤکدہ قرار پا سکتی تھی۔

داڑھی کے تواتر پر علماء کی دو آرا ہیں، علماء کی ایک بڑی تعداد داڑھی کے تواتر کو سنتِ عادیہ کے طور پر لیتی ہے، کہ آپ ﷺ کی عادت تھی اور اُس زمانے عربوں کی عادت ہی یہ تھی کہ اِتنی داڑھی رکھا کرتے تھے، پس وہ علماء اُسے **سُنن الھُدیٰ** میں شامل ہی نہیں کرتے۔ **سُنن الھُدیٰ** آقا ﷺ کی ایسی سنتیں ہیں جن کا کرنا لازمی اور ترک کرنا گناہ ہے۔ دُوسری طرف **سُننِ عادیہ** آپ ﷺ کی وہ سنتیں ہیں جو آپ ﷺ کی مبارک عادات میں شامل تھیں یا عربوں کی تہذیب و ثقافت کا حصہ تھیں، جیسے لباس، کھانا، سواری، ایسی بہت سی دُوسری سننِ مبارکہ جن پر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں تواتر تھا۔ یہ ساری چیزیں حضور ﷺ کی سنت تو ہیں اور اُن پر محبت کے ساتھ عمل کرنا باعثِ اَجر و ثواب بھی ہے، مگر ترک کرنے سے گناہ لاحق نہیں ہوتا۔ چنانچہ علماء کی ایک بڑی تعداد داڑھی کا رکھنا اور مقدار قبضہ رکھنا سننِ عادیہ میں شمار کرتی ہے۔

اگر کوئی فنِ اُصولِ حدیث کا طالب علم ہو کر ذخیرۂ حدیث میں آنے والی کل اَحادیث کو شرائطِ حدیث، سند اور شرائطِ اِثباتِ اَحکام کو ملحوظ رکھ کر ایک فقیہ کے طور پر دیکھے تو قُبضہ برابر داڑھی رکھنے کے صرف دو مرتبے بنتے ہیں۔ اگر اُسے نچلے درجے میں شمار کریں تو 'سنتِ عادیہ' قرار پائے گی اور اگر اَعلیٰ درجے میں (یعنی سنتِ ھدیٰ میں) شمار کریں

تو 'سنتِ غیر مؤکدہ' قرار پائے گی۔ حضور ﷺ کا عمل مبارک ہے، چونکہ زبان سے صریح حکم نہیں ہے، کم رکھنے پر تحدید نہیں ہے، سختی نہیں ہے، گناہ کا کلمہ نہیں ہے، اِس لئے سنت ہے مگر سنتِ غیر مؤکدہ ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 393)

35- آزادیٔ اِظہارِ رائے

اِظہارِ رائے کی آزادی کے بغیر کسی بھی معاشرے میں جمہوری اَقدار اور عدل و اِنصاف کی روایات نہیں پنپ سکتیں۔ اِسی لئے اِسلام نے نہ صرف ہر فرد کو اِظہار رائے کی آزادی کا حق عطا کیا ہے بلکہ اَہلِ اِسلام کو اپنے اِجتماعی معاملات اُصولِ مشاورت پر اُستوار کرنے کی تعلیم بھی دی ہے۔

اِظہارِ رائے کی آزادی میں حقِ تقریر، حقِ رائے، اِختلاف اور تنقید کا حق اور جدید اَلفاظ میں صحافتی آزادی بھی شامل ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ شہریوں کے سوچنے، رائے رکھنے اور اپنی رائے کے اِظہار کرنے میں ریاست کبھی بھی مداخلت نہیں کرے گی۔ اِسلام نے یہ حق ہر فرد کو عطا کیا ہے۔ قرآنِ مجید میں اُصولِ مشاورت بیان کرنے والی تمام آیات اِظہارِ رائے کی آزادی کو بھی بیان کرتی ہیں، کیوں کہ مشاورت کا عمل اُس وقت تک انجام پذیر نہیں ہوسکتا جب تک حکمران عوام سے مشورہ طلب نہ کریں اور عوام اُس وقت تک مشورہ نہیں دے سکتے جب تک کہ اُنہیں اِظہارِ رائے کی آزادی کا حق حاصل نہ ہو۔ لہٰذا قرآنِ حکیم کا اُصولِ مشاورت کو اپنانے کا حکم اِس حکمت کا حامل ہے کہ اِسلامی ریاست میں ہر شہری کو اِظہارِ رائے کی آزادی کا حق حاصل ہوگا۔ اِرشاد ربانی ہے:

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ. (القرآن، الشوریٰ، 42: 38)

''اور اُن کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔''

یوں اِسلام نے مشاورت کا اُصول متعارف کرواتے ہوئے اِختلافِ رائے اور آزادیٔ اِظہارِ رائے کو ہر شہری کا حق قرار دیا۔ اِسی طرح سیرتِ نبوی میں ہمیں اِس اَمر کی کئی مثالیں ملتی ہیں، جہاں حضور اَکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے مختلف معاملات پر مشاورت کی غزوۂ بدر، اَسیرانِ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ اَحزاب اور معاہدۂ حدیبیہ میں حضور اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔

اِسی طرح حضور ﷺ نے حکمرانوں کے ظلم کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے کو بہترین جہاد قرار دیا۔ اِرشاد فرمایا:

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

إنّ مِن أعظمِ الجهادِ كلمة عدلٍ عند سلطانٍ جائرٍ. (جامع ترمذی، ۴: ۴۷۱، رقم: ۲۱۷۴)

''بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔''

حضور اکرم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اِسلام کی اِنہی زرّیں تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے جملہ معاملات میں باہمی مشاورت کے اُصول پر عمل کیا۔ خلافتِ راشدہ میں اِظہارِ رائے کی آزادی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے خطبہ جمعہ کے دوران ایک شخص نے کھڑے ہوکر آپ سے اِعتراض کیا کہ وہ آپ کے خطبہ کو اُس وقت تک نہیں سنیں گے جب تک کہ وہ اپنے کرتے کے لیے بیت المال سے زیادہ کپڑا لینے پر جواز فراہم نہ کر دیں، پس اُنہوں نے اُس بات کا برا منانے کی بجائے بھری مجلس میں ہونے والے اِس سوال کی وضاحت پیش کی۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے خواتین کے حقِ مہر کی مقدار کے تعین کا اِرادہ کیا تو ایک خاتون نے آپ کے اُس فیصلے پر اِعتراض کیا اور قرآنِ مجید کی دلیل سے آپ کو ایسا فیصلہ کرنے سے روک دیا۔ حضرت عمرؓ نے اِعتراض کرنے والی خاتون کی دلیل کو تسلیم کرتے ہوئے نہ صرف اپنا فیصلہ واپس لیا بلکہ اُس کا شکریہ اَدا کیا کہ اُس نے اُنہیں ایک غلطی سے بچا لیا۔ (الاحکام لابن حزم، ۲: ۲۴۵، ۲۴۴)

اِسلام میں اِس سطح کی آزادیٔ رائے کا تصور موجود ہے کہ جس خلیفہ کا نام سن کر قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں کانپ اُٹھتی تھیں وہ ایک عام عورت کو نہ صرف اِس سطح کی آزادی دے رہے تھے بلکہ اُس کی رائے کو مان کر خلافت کا فیصلہ بھی تبدیل کر رہے تھے۔

اِسلام کی طرف سے عطا کردہ آزادیٔ اِظہارِ رائے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم دُوسروں کی کردارکشی شروع کر دیں۔ رائے کی آزادی کے ساتھ رائے کا پُرخلوص ہونا بھی ضروری ہے ورنہ تاجدارِ کائنات ﷺ کا فرمان ہے کہ ''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اِتنا کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات بلاتحقیق آگے بیان کرنے لگے۔''

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ''اِسلام میں انسانی حقوق'')

36- اِسلام اور جمہوریت

اِسلام دُنیا کا وہ دین ہے جس نے جمہوریت کو ایک نظامِ حکومت کے طور پر اِس دُنیا میں متعارف کروایا۔ اِسلام نے اِنسانیت کو دُنیا کی تاریخ میں 'پہلا تحریری آئین' عطاء کیا۔ میری ایک تصنیف ہے 'میثاقِ مدینہ کا آئینی تجزیہ'،

میں نے اُس میں حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کے عطاء کردہ 'میثاقِ مدینہ' کا 63 آرٹیکلز پر مشتمل آئینی تجزیہ پیش کیا ہے۔ اُس کے پہلے آرٹیکل میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ریاست کی بنیاد جمہوریت پر رکھی۔ یہ ایک تحریری دستور تھا، جسے متوازن روپ میں پیش کیا گیا اور اُس کے تحت ایک سیاسی وحدت کی بنیاد رکھی گئی۔ اُس میں جو حقوق مسلمانوں کو دیئے گئے وُہی حقوق یہود کو بھی دیئے گئے۔ حتیٰ کہ یہود کے اِتحادی غیرمسلم قبائل کو بھی وُہی حقوق دیئے۔ اُسی آئین میں حضور ﷺ نے قانون کی حکمرانی (Rule of Law) کا نفاذ کیا۔ اُس میں یہود اور مقامی غیرمسلم قبائل کی رِوایات کو آئینی تحفظ دیا، اِسے جمہوریت کہتے ہیں۔ سب عوام کو اُن کی رِوایات، ثقافت اور مذہب کو آئینی تحفظ دیا۔ معاشی اِستحکام کی بنیاد مؤاخاتِ مدینہ پر رکھی۔ اُس آئین میں بنیادی اِنسانی حقوق عطاء کئے۔ اُس میں مذہبی آزادی دی اور فرمایا کہ یہودیوں کو وُہی مذہبی آزادی ہوگی جو مسلمانوں کو حاصل ہے۔ اُس میں خواتین کو حقوق دیئے اور مدینہ کو اَمن کا گھر قرار دیا۔ اِنسانی زندگی، مذہب، عزت و آبرو، کاروبار، مال و دولت، تمام حقوق دیئے۔ عدالت میں قانونی مساوات کا حق دیا۔ کسی شخص کے خلاف فیصلہ بغیر سماعت کے نہیں ہوگا، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو۔ حتیٰ کہ غیرمسلم جنگی قیدیوں کو حقوق دیئے۔ اُس زمانے پوری دُنیا کا ایک ہی قانون تھا کہ جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے جنگی قیدیوں کی آزادی کے لئے چار قوانین تشکیل دیئے کہ جنگی قیدی کس طرح آزاد ہوں گے۔ اِنسانی حقوق، جمہوریت اور devolution of power دی۔ آپ نے یہ اُصول دیا کہ ایک سے دو کی رائے بہتر ہے، دو سے تین کی رائے بہتر ہے، تین سے چار کی رائے بہتر ہے۔ فرمایا یَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ یعنی ''جدھر اکثریت ہوگی اُس کے اُوپر اللہ کی حفاظت کا ہاتھ ہوگا''۔ آپ ﷺ نے اس آئین میں مشاورت رکھی جو جمہوریت کی اصل جڑ ہے۔

(برائے مزید ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام "میثاقِ مدینہ کا آئینی تجزیہ" اور سی ڈی نمبر 1002)

37- اِسلام اور سیاست

اِسلام دیگر مذاہب کی طرح محض ایک مذہب نہیں، اِس لئے وہ صرف اِنسان کے من میں تبدیلی پر اِکتفاء نہیں کرتا بلکہ ایک جامع دین اور مکمل ضابطۂ حیات ہونے کے ناتے معاشرے کا پورا نظام اللہ ربّ العزت کے فرمان کے مطابق چلانے کا حکم دیتا ہے، تاکہ معاشرے سے ظلم و نااِنصافی کا خاتمہ ہو اور تمام اَفرادِ معاشرہ اِسلام کے اُصولِ مساوات کے تحت معاشرے میں یکساں حقوق حاصل کر سکیں۔ جس طرح آپ اپنے گھر کے اندر کی صفائی جاری رکھ کر گلی کوچوں اور محلے کی گندگی کو بدبو کی وجہ سے برداشت نہیں کر سکتے، اِسی طرح اللہ اور اُس کا رسول یہ گوارا نہیں کرتا

کہ ایک بندہ اپنے من کو نمازوں سے صاف کرتا پھرے اور اپنی تبلیغوں میں لگا رہے اور دُوسری طرف معاشرے پر کفر، اللہ کی نافرمانی اور ظلم پر مبنی اِستحصالی، طاغوتی اور سامراجی نظام رہے۔ فحاشی و عریانی اور بے حیائی کا دور دورہ ہو۔ ٹی وی روزانہ گھروں کے اَندر بے حیائی کا درس دیتے رہیں اور اگر آپ اُس پر اِحتجاج کریں تو وہ کہیں کہ خبردار! آپ کو کیا ٹی۔وی حکومت کا کام ہے، آپ اپنی نمازیں پڑھیں اور ٹی وی دیکھنا بند کر دیں۔

اَخبار میں ہر روز فحاشی و عریانی ہے۔ ہر روز پورے کے پورے صفحے اَداکاروں اور عریاں لڑکیوں کی تصاویر سے بھرے ہوتے ہیں۔ ہر اَخبار نے ایک انجوائے منٹ کالم بنا رکھا ہے، جس میں عورتوں کی عریاں تصویریں لگائی جاتی ہیں اور نوجوان بچوں کو بے پردگی کے سلیقے سکھائے جا رہے ہیں۔ آپ اُس کے خلاف آواز بلند کریں تو جواب ملے گا کہ آپ کو کیا غرض اپنی نماز پڑھیں تبلیغ کریں، اَخبار اگر غلط ہے تو دیکھنا بند کر دیں۔

پھر آپ چیخیں کہ گھر میں ٹی وی بھی بند کر دیا، اَخبار بھی بند کر دیا مگر وہ ساری برائیاں بچے سکول سے سیکھ کر آ جاتے ہیں، دُوسروں کے گھروں میں تو ٹی وی بند نہیں ہے ناں، وہ سارا کچھ جو بچے ٹی وی سے سیکھتے ہیں وہ سبق سکول میں جا کر دُہراتے ہیں اور دُوسرے بچے سیکھ کر گھر آ کر اُسے اِستعمال کرتے ہیں۔ سکول میں فحش پروگرام ہو رہے ہیں، آئے روز مینا بازار جو لگتے ہیں، ثقافتی شو ہوتے ہیں، بچیوں کے ڈانس ہوتے ہیں، ظلم ہو رہا ہے، فحاشی و عریانی کے سبق ہیں۔ آپ چیخیں کہ ہمارے بچے سکول سے یہ ساری باتیں سیکھ کر آ رہے ہیں تو جواب ملے گا کہ بچوں کو سکول بھیجنا چھوڑ دیں۔

آگاہ رہیں! اگر اللہ کے دِین کی حفاظت کے لئے یہ قوم نہ اُٹھی تو چند سال بعد اِس ملک کے سکولوں میں سیکس کی تعلیم کا مضمون شامل کیا جائے گا، جنسی بے حیائی کے مضامین اِس ملک میں شاملِ نصاب ہوں گے۔ اگر مصطفوی اِنقلاب کے لئے، اللہ کے دِین کی حفاظت کے لئے، اِیمان کی قدروں کے بچاؤ کے لئے، غیرتِ اِیمانی کی حمایت کے لئے، اگر یہ قوم نہ اُٹھی تو اِس ملک کے سکولوں کے نصاب میں سیکس کی ایجوکیشن آئے گی، موسیقی بھی آئے گی، بے حیائی کے درس ہوں گے، آج شروع ہو چکے ہیں۔

آپ نے رِشوت کے خلاف آواز بلند کی اور کہا کہ رِشوت کی صورت میں سارے ملک میں حرام چل رہا ہے۔ پوچھا کہاں رِشوت ہے؟ آپ نے کہا ٹیلیفون کا کنکشن لگوانے جائیں تو وہ رِشوت مانگتے ہیں۔ جواب ملے گا آپ ٹیلیفون کا کنکشن نہ لگوائیں۔ بجلی کا کنکشن لگوائیں تو وہ رِشوت مانگتے ہیں، جواب ملے گا آپ بجلی نہ لگوائیں۔ پانی کے

کنکشن کے لئے رِشوت مانگتے ہیں تو آپ پانی نہ لگوائیں۔ بچہ پڑھ گیا ہے اُس کی نوکری رِشوت کے بغیر نہیں ملتی، رِشوت حرام ہے میں دینا نہیں چاہتا، جواب ملے گا کہ آپ کو شوق ہے دینے کا! آپ نوکری نہ لگوائیں۔ کرتے کرتے انجامِ کار اِس زندگی کا یہ ہے کہ اِس وقت تو معاشرے میں زندگی کا کوئی کام خالص جائز اور حلال طریقے سے ممکن نہیں ہے، تو آخری جواب ملے گا کہ آپ جینا ہی چھوڑ دیں، جینے کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں، اگلے جہان چلے جائیں جہاں نیک روحیں رہتی ہیں، یہ تو ایسی ہی دنیا ہے۔

جس طرح گھر کے اَندر کی صفائی کرنے اور گلی کوچے میں گندگی کے ڈھیروں کے لگتے جانے سے گزارا نہیں ہوسکتا، اِسی طرح اِیمان پکار پکار کر آوازیں دے رہا ہے، مگر ہماری روح کے کان بند ہو گئے۔ اِیمان کی بستی سے آوازیں آ رہی ہیں، گنبدِ خضراء سے صدائیں آ رہی ہیں، کعبۃُ اللہ سے صدائیں آ رہی ہیں، قرآنِ مجید کی آیتوں اور لفظوں سے پکاریں آ رہی ہیں کہ اَے اہل اِیمان تیرے اَندر نماز روزے کے عمل کو جاری رکھنے سے بھی گزارا نہ ہوگا۔ معاشرے کے اَندر کفر کی غلاظتوں کے ڈھیر جمع ہو رہے ہیں۔ اَللہ نے حیاء کا درس دیا بے حیائی کے درس جاری ہیں۔ اَللہ نے تابع فرمانی کا درس دیا نافرمانیاں جاری ہیں۔ معاشرے کفر، ظلم، رِشوت، سود اور حرام کی طرف جا رہے ہیں۔ اَلغرض ہر حرام زندگی کا نظام بن رہا ہے اور ہر حلال زندگی سے کوچ کرتا جا رہا ہے۔

اَیسی صورتِ حال مکہ کی سرزمین پر تھی۔ خالی نماز پڑھنے سے تو صحابہ کو کوئی نہیں روکتا تھا۔ اگر یہ معاہدہ ہو جاتا کہ تم نے صرف نماز پڑھنی ہے، تبلیغ کرنی ہے، وعظ کرنا ہے، حج کرنا ہے، اور ہمارے نظام کو بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کرنی، اور ہماری سلطنت، سرداری و جاگیرداری اور حکومت کے نظام کو بدلنے کی کوشش نہیں کرنی، اگر صرف اِتنا سمجھوتہ ہو جاتا تو نہ کبھی ہجرت کی نوبت آتی، نہ غزوۂ بدر ہوتا، نہ غزوۂ اُحد ہوتا، نہ جنگ خندق ہوتی، نہ کبھی طائف کے پتھر پڑتے، نہ کبھی تلواروں سے محاصرہ ہوتا، نہ صحابہ کی گردنیں کٹتیں، نہ شہادتیں ہوتیں، اور پھر نہ خلافتِ راشدہ ہوتی، اور نہ آپ اور ہم سب مسلمان ہوتے، حضور ﷺ نے اُس پہلی سطح پر رہنے کو قبول نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا:

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللهُ. (الحج، ۲۲ : ۴۰)

''(یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اِس بناء پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا ربّ اَللہ ہے (یعنی اُنہوں نے باطل کی فرمانروائی تسلیم کرنے سے اِنکار کیا تھا)''

رَبُّنَا اللهُ: یہ ایک اِنقلابی نعرہ ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ ہم اَللہ کے دیئے ہوئے نظام کے سوا باقی ہر نظام کو

مُسترد کرتے ہیں۔ جس ربّ نے ہمیں پیدا کیا پورا نظامِ زندگی اُسی ربّ کی ہدایت کے مطابق چلانا چاہتے ہیں۔ صرف مسجد کو نہیں بلکہ پورا معاشرہ اللہ کی ہدایت کے مطابق چلانا چاہتے ہیں۔ یہ جرم تھا اُن صحابہ کرامؓ کا جس کی پاداش میں اُنہیں گھروں سے نکالا گیا اور اُن کی جانیں لی گئیں۔ اللہ ربّ العزت اِسی ضمن میں مزید فرماتا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَ صَلَوٰاتٌ وَّ مَسَاجِدُ.

(الحج، 22 : 40)

’’اور اگر اَللہ اِنسانی طبقات میں سے بعض کو بعض کے ذرِیعہ (جہاد و اِنقلابی جدوجہد کی صورت میں) ہٹاتا نہ رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں (یعنی تمام اَدیان کے مذہبی مراکز اور عبادت گاہیں) مسمار اور وِیران کر دی جاتیں۔‘‘

یعنی اگر اللہ بعض لوگوں کا تسلط، قبضہ، غلبہ اور حکومت بعض لوگوں کی کوششوں کے ذرِیعے ختم نہ کرتا تو ہر مذہب کی عبادت گاہیں تباہ ہو جاتیں۔ یعنی آج کچھ لوگوں کی حکومت ہے جو غلط راہ پر جا رہے ہیں، ظلم کر رہے ہیں، اَللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں، اَہلِ حق اٹھے اُن کے تسلط کو چیلنج کیا اور جدوجہد کی، جہاد کیا، اِنقلاب بپا کیا، جانوں کی بازی لگائی، اُن کے قبضے سے معاشرے کو نکال لیا اور نظام بدل ڈالا۔ وقت کے ساتھ ساتھ پھر دوبارہ لادِین لوگوں کی حکومت آئی اُنہوں نے بے دینی مسلط کرنے کی کوشش کی تو دُوسرے لوگوں نے جماعت بنائی، تگ و دو کی، قربانیاں دیں اور اُن کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ یہ تاریخِ اِنسانی میں ایک مسلسل اِنقلابی جدوجہد کا عمل ہے۔ اِس مقام پر قرآن سیدھے ٹکراؤ کی بات کر رہا ہے۔

اَے قوم! کب تجھے قرآن کا شعور نصیب ہوگا، قرآنِ مجید تو کھول کھول کر ساری حقیقتیں بیان کر رہا ہے، مگر ہم سب مل کر قرآن پر ظلم کر رہے ہیں۔ ہم نے فقط قرآن کو چومنے کے لئے رکھا ہے۔ غلاف میں بند قرآن کو کبھی کبھار زیارت کے لئے رکھا ہے۔ قرآن کو سمجھے بغیر صرف تلاوت کے لئے رکھا ہے۔ اور سال کے بعد تراوِیح میں سننے کے لئے رکھا ہے۔ اَے پاکستانی قوم! کب وہ دِن آئے گا جب تو آگے بڑھے گی اور قرآن کے پیغام کو سمجھنے اور معاشرے پر لاگو کرنے کی کوشش کرے گی۔ وہ دِن کب آئے گا جب قرآن کے پیغام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہ قوم اُٹھ کھڑی ہوگی، نعرۂ اِنقلاب بلند کرے گی، سراپا جہاد بن جائے گی، بے دِینیت سے ٹکرانے کے لئے تیار ہو جائے گی،

اور نظامِ کفر کو اُکھاڑ کے پھینک دینے اور قرآن کا عطا کردہ نظام رُوئے زمین پر نافذ کر دینے کا فیصلہ کرے گی۔

اَے اہلِ پاکستان! اَے مسلمانانِ عالم! خطاب بہت ہو چکے، وعظ بہت ہو چکے، تبلیغیں تربیتیں بہت ہو چکیں، فقط خطابوں، تقریروں اور وعظوں سے اُمتِ مسلمہ کے اَحوال نہیں بدل سکتے۔ اُمتِ مسلمہ کو سراپا جہاد بننا ہوگا، سراپا اِنقلاب بننا ہوگا، یہ خون جو ہماری رگوں میں گردش کر رہا ہے اُس خون میں تلاطم پیدا کرنا ہوگا، اور سراسر پیغامِ قرآن کے پیکر بن کر کفر کے نظام سے ٹکرا جانا ہوگا۔

اَللہ ربّ العزت نے فرمایا کہ ہمارا اَمر، ہماری منشاء اور ہمارا بھیجا ہوا نظام یہ ہے کہ جب معاشرے پر کچھ اَیسے لوگ مسلط ہو جائیں کہ اُن سے دِین کو نقصان پہنچ رہا ہو، لوگوں کو اُن کے حقوق نہ مل رہے ہوں تو اَہلِ حق لوگ اُٹھیں اور جو مسلط ہیں اُنہیں ہٹا دیں۔ پھر کبھی اَیسا ہو جائے تو پھر اَہلِ حق اُٹھیں اور اُنہیں ہٹا دیں۔ یہ پوری کی پوری حرکت ایک اِنقلابی جدوجہد کی صورت میں مسلمانوں کی اِجتماعی زندگی کے اندر جاری رہنی چاہیئے۔ اگر تقاضائے ربِ جلیل نہ ہوتا تو سیدنا موسیٰ کو یہ نہ فرماتا کہ سیدھا فرعون کے پاس جا، وہ باغی ہو چکا ہے، اِس لئے بنی اِسرائیل کو اُس کے تسلط سے نکال۔ اَللہ تعالیٰ فرما سکتا تھا کہ فرعون جیسا بھی ہے تمہیں اُس کی حکومت، سیاست اور نظام سے کیا غرض، تو جا کے میری توحید اور اپنی رسالت کا پیغام دے، لوگوں کو آخرت کی تبلیغ کر، تقویٰ کا سبق دے، اللہ اللہ سکھا۔ رہ گیا فرعون اور اُس کی حکومت وسلطنت، اُس سے تمہیں کیا سروکار، وہ سیاسی بات ہے چھوڑ دو، اَللہ نے ایسا نہیں فرمایا۔

اَللہ ربّ العزت نے یہ دُنیا پیدا کی ہے اور وہ اِس کی رگ رگ سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ قوم کو ساری زِندگی بھی سکھاتے رہو گے اور اُوپر سلطنت اور اِقتدار ظلم کا رہے گا تو ظلم کے شکنجے میں جکڑی ہوئی قوم کبھی بھی کھل کر حق کی طرف آنے کو تیار نہیں ہوگی۔ اِس لئے فرمایا کہ سیدھا فرعون کے اَیوان میں جا اور اُس سے بنی اسرائیل کی آزادی کی بات کر۔ فرعون کی حکومت اور ظالمانہ نظام سے بنی اِسرائیل کو آزاد کروا۔ یہ حکم حضور ﷺ تک چلا آیا ہے۔ آپ ﷺ کو یہ وحی آ رہی ہے کہ اَے محبوب! اپنی اُمت کو قیامت تک کے لئے دِین کے حفاظت اور بقاء کا یہ فلسفہ سمجھا دیں کہ دِین کی بقاء اِسی مسلسل اِنقلابی عمل میں ہے۔

اگر یہ سلسلہ تھم جائے اور لوگ سوچیں کہ سیاست میں حصہ لینے اور ظالم حکمرانوں کو ہٹانے کی کوئی ضرورت نہیں تو (۱) راہبوں کی خانقاہیں منہدم اور تباہ و برباد ہو جاتیں، (۲) عیسائیوں کے گرجے برباد ہو جاتے، (۳) یہودیوں کے عبادت خانے برباد ہو جاتے، اور (۴) مسلمانوں کی مسجدیں برباد ہو جائیں گی۔ اگر اپنی مساجد کو آباد رکھنا چاہتے

ہو تو اُس کی صرف ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ اگر اَللہ کے دیئے ہوئے نظام کو بپا کرنے کی جنگ کرتے رہو گے تو تمہاری مسجدیں بھی آباد رہیں گی۔

بتایا جا رہا ہے کہ اَے راھبو! اگر تم اپنی خانقاہوں کی آبادی کو برقرار رکھنا چاہتے ہو تو وہ خالی نمازیں پڑھنے، اَللہ اَللہ کرنے اور ذِکر کرنے سے ہمیشہ ہمیشہ آباد نہیں رہیں گی، بلکہ اَللہ کے دِین کے نظام کی بحالی کے لئے جنگ کرتے رہو گے تو تمہاری خانقاہیں بھی آباد رہیں گی۔ بتا دے میرے حبیب عیسائیو! اگر اپنے مذہب کی حفاظت اور اِقامت کے لئے جہاد نہ کرو گے تو تمہارے گرجے وِیران اور برباد ہو جائیں گے۔ آج پورے عالمِ عیسائیت کے گرجے وِیران ہو گئے، پوری دُنیا میں راھبوں کی خانقاہیں بے آباد ہوگئیں، اِس لئے کہ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں نظام بدلنے اور بادشاہوں سے جنگ لڑنے سے کیا سروکار! ہم تو بس فقیر لوگ ہیں۔ راھب بنی اِسرائیل کے زمانے کے پیر تھے، جیسے ہمارے زمانے میں مشائخ اور پیر کہلاتے ہیں۔ کثرت سے اللہ کی عبادت، تسبیح، ذِکر اَذکار کرنے والے لوگ، تزکیۂ نفس کرنے والے، جنگلوں میں ریاضات کرنے والے، مجاہدات کرنے والے اور لوگوں کو اَللہ اَللہ کا درس دینے والے۔ یہ اُس زمانے لوگوں کے مرشد تھے۔ اُنہیں راھب یا رُھبان کہتے تھے۔ جب ظالم بادشاہوں کی سلطنتیں آئیں اور اُس دَور کے اَنبیاء نے اُنہیں جہاد کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی تو اُن راھبوں نے بھی یہ کہا تھا کہ ہم فقیر لوگ ہیں، ہمارا اُن بادشاہوں سے جنگ کرنے اور سیاست سے کیا کام، ہم تو بس اَللہ اَللہ کرنے والے ہیں۔ اَللہ ربّ العزت نے فرمایا: لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ پہلی اُمتوں کے پیروں فقیروں کی خانقاہیں وِیران ہوگئیں، برباد ہو گئیں، منہدم ہوگئیں، آج کوئی اَللہ اَللہ کرنے کو آنے کے لئے تیار نہیں رہا۔

اُن کے بعد عیسائیوں کا وقت آ گیا۔ عیسائی پادریوں نے آج سے دو تین سو سال پہلے ایک کانفرنس کر کے باقاعدہ فیصلہ کیا کہ آج سے ہمارا سیاست کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ سیاست دُنیادار لوگوں کے حوالے کر دی اور ہم صرف چرچ تک رہیں گے، عبادت کریں گے اور بائبل کی تعلیم دیں گے۔ اِس سے مذہب اور سیاست دونوں جدا ہو گئے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ، فرانس، اِٹلی، ناروے وغیرہ میں بھی گرجے وِیران ہو گئے۔ پادری سارا ہفتہ اِنتظار کرتا رہتا ہے، بڑے بڑے اُونچے گرجے بنے پڑے ہیں، سارا ہفتہ کوئی چرچ نہیں جاتا۔ دُنیا میں سب سے زیادہ تعداد عیسائیوں کی ہے، مگر وہ صرف نام کے عیسائی ہیں، اُن کی بڑی تعداد اپنے مذہب کو چھوڑ چکی ہے۔ حتیٰ کہ اِتوار کو بھی لوگ نہیں جاتے، گرجوں کو تالے لگ گئے اور لوگ گرجے خرید کر سکول، کمیونٹی سنٹر اور مسجدیں بنا رہے ہیں۔

جس قوم نے اپنے دِین و مذہب کی اِقامت کے لئے جہاد و اِنقلاب کا راستہ ترک کر دیا اور باطل کا فرانہ نظام سے ٹکرانے کا عمل چھوڑ دیا، اور اِسی پر خوش رہے کہ چلو مسجدوں میں نمازیں پڑھیں، تبلیغیں کریں، کیا ضرورت پڑی بادشاہوں اور حکومتوں سے ٹکر لینے کی! جس قوم نے سیاست سمجھ کر دِین کی سربلندی کا عمل چھوڑ دیا، ایک وقت آئے گا کہ اُس قوم کی عبادت گاہیں وِیران ہو جائیں گی، بالکل جیسے عیسائیوں کے گرجے وِیران ہو گئے، جیسے راہبوں کی خانقاہیں وِیران ہو گئیں اور جیسے یہودیوں کے عبادت خانے وِیران ہو گئے۔

مسلمانو! اگر جہاد کے لئے نہیں اُٹھو گے، اور دینِ مصطفوی کی سربلندی کے لئے اِنقلاب بپا نہیں کرو گے، فاسقوں، ظالموں، زانیوں، شرابیوں، دِین دُشمن طاقتوں سے جنگ نہیں کرو گے، بے دِینی کے نظام، فحاشی، عریانی، کفر اور طاغوت کے نظام سے جنگ نہیں کرو گے تو یاد رکھو کہ جو کچھ یہودیوں، عیسائیوں اور راھبوں کے ساتھ بیتا، اِنتظار کرو وُہی سب کچھ تمہاری مسجدوں کے ساتھ بھی بیتے گا، یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔

علماء کہاں ہے؟ ہمارے معاشرے کے پیرانِ کرام کہاں ہیں؟ مشائخ کہاں ہیں؟ بیعت کے سلسلے رکھنے والے کہاں ہیں؟ فقیرو! کہاں ہو؟ مدرسے چلانے والو! کہاں ہو؟ مسجدوں کے اِمام کہاں ہیں؟ قرآن کی پکار رُوح کے کان سے سن لو! صرف دونسلوں کی بات ہے۔ یہ گدیاں، پیرخانے اور بیعت کے سلسلے سلامت نہیں رہیں گے، سب کچھ ملیامیٹ ہوجائے گا۔ آج اگر طاہرالقادری کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تو شاید نہ آئے، بیس پچیس سال کی بات ہے، بیعت کے سلسلے، خانقاہیں، رُوحانی مراکز سب ختم ہو جائیں گے۔ ہرسُو وِیرانیاں ہوں گی اور اُس کا سبب ہمارا مصطفیٰ کے نظام کے لئے میدانِ عمل میں آنے سے اِنکار ہوگا۔

ہم اِسی پر خوش ہیں کہ ہماری بیعت فلاں بزرگ سے ہے۔ اَللہ سلامت رکھے اور اُس میں برکت دے۔ مگر یوں سوچ کر دیکھیں کہ آپ کی وہ اَولاد جس نے ایم اے، ایم ایس سی، لاء وغیرہ کر لیا یونیورسٹی ایجوکیشن حاصل کر لی کیا اُس کی بیعت بھی اُسی بزرگ سے ہے؟ تھوڑا گریبان میں جھانک کر سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ انجام اِس کا کیا ہوگا وہ بھی ذِہن میں رکھیں۔ اکثریت کا جواب نفی میں آئے گا۔ تو جب ہمارے ہوتے ہماری اولادیں دِین کی روِش سے دُوری اِختیار کر رہی ہیں تو ہماری زندگی کے بعد وہ دِین کی طرف کیوں کر آ سکیں گی؟ دُوسری نسل کا دِین سے تعلق بالکل ختم ہو جائے گا۔ پھر اَمریکہ و یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام ہی اُن کا مذہب ہوگا۔ سامراج، طاغوت، فحاشی، عریانی ہی اُن کا مذہب ہوگی۔ دِین سے دُور ہو چکی ہوں گی نسلیں!!!

کیوں؟ کہ ہم جہاد اور اِنقلاب کے لئے نہیں اُٹھے ہوں گے، دِینِ مصطفوی کی حفاظت و اِقامت کے لئے نہیں اُٹھے ہوں گے اور ہم نے معاشرے کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کو بدلا نہیں ہوگا۔ اگلی نسلوں کی دِین سے دُوری میں ہم برابر کے شریک ہوں گے۔ اِسے سیاست سمجھ کر اگر ہم دُور بیٹھے رہے تو اللہ کا دِین ہمیں معاف نہیں کرے گا۔ باطل نظام کے خلاف ٹکرانے کا عمل ہی سیاست ہے۔ لُبِ لباب یہ نکلا کہ مسلمانو! اگر تم سے سیاست چھوڑ دی تو تمہارا مذہب وِیران ہو جائے گا۔

آج معاشرے کا یہ ذِہن بن گیا ہے کہ خالی مذہب کا کام کرتے تو بڑا اچھا تھا، سیاست میں نہیں آنا تھا۔ قادری صاحب خالی مذہب کا کام کرتے، فہم القرآن میں آتے، ٹی وی پر خطاب کرتے، وعظ کرتے، تقریریں کرتے، کتنے اچھے لگتے تھے۔ یہ جو سیاست میں آئے یہ اچھا نہیں کیا۔ یہ قوم خطاب پسند ہوگئی اِنقلاب پسند نہ رہی۔ قرآن اِسی موضوع پر خطاب کر رہا ہے کہ مذہب تب آباد رہتا ہے جب سیاست مصطفیٰ کے دِین کے پاس اور اَہلِ حق کے پاس ہو۔ سیاست بے دین ظالموں کے حوالے کرنے مطلب ہے کہ آپ نے اُنہیں معاشرے پر کفر کا نظام مسلط کرنے کی کھلی چھٹی دے دی۔

دُنیا کے تمام مسلمان ملکوں پر مغربی دُنیا کی نظر ہے کہ کسی ملک میں بھی اِسلام بطور نظام نہ اُبھر سکے۔ جب یہ بطور نظام دُنیا سے ختم ہو جائے گا تو عقیدہ و مذہب بھی ایک دو نسلوں بعد رفتہ رفتہ ختم ہوتا چلا جائے گا۔ دِین اور سیاست کو جدا کرتے ہوئے یہ ایک بہت بڑی بین الاقوامی سازِش تیار کی گئی ہے اور پاکستان میں یہی سب کچھ نہایت تیز رفتاری سے شروع ہو چکا ہے۔ قوم کو ذِہنی طور پر بے دین بننے کی طرف لگایا جا رہا ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 575)

www.NizamBadlo.com
www.facebook.com/NizamBadlo

38- ماڈل اِسلامی ملک

جب ہم کسی غیر مسلم کے سامنے اِسلام کو بطور ایک زندہ مذہب کے پیش کرتے ہیں تو اُس کا سوال ہوتا ہے کہ کیا آج اِسلام بطور نظام کسی ملک میں موجود ہے، اور ہمارے پاس اِس کا جواب نہیں ہوتا۔ درحقیقت ہم دورِ زوال

میں رہ رہے ہیں، جو پچھلی دو صدیوں سے پیدا ہوا ہے۔ اِکیسویں صدی کا آغاز ہم نے زوال کی سنگینی کی صورت میں کیا ہے۔ اِس دور میں مسلمان ریاستیں تو بکثرت ہیں مگر اُن میں سے کسی کو بھی کماحقہٗ 'اِسلامی ریاست' نہیں کہا جا سکتا۔ اِس وقت کسی بھی ریاست کا دستور اور آئین مکمل اِسلامی نہیں ہے۔ کسی ایسی ریاست کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی جس کے معاشرتی، سماجی، قانونی، ثقافتی ڈھانچے کی بنیادیں بھی اِسلام پر اُستوار ہوں۔ مجھے یہ اِعتراف کرنے میں کوئی تأمل نہیں ہے کہ اِس دور میں کوئی اِسلامک اسٹیٹ نمونے کے طور پر نہیں پیش کی جا سکتی۔ اَب یہ مفاد پرستوں کی حکمرانی کا دَور ہے، عیاش حکمرانوں کا دَور ہے، جس کا خاتمہ اِن شاء اللہ العزیز جلد دیکھنے کو ملے گا اور اُس کے بعد اِسلام کو پھر سے عروج کی منزل ملے گی۔

یہ نشیب و فراز تو ایک تاریخی تسلسل ہے۔ قومیں اِسی طرح نشیب و فراز سے گزرا کرتی ہیں۔ اگر تیرہ سو سال عروج کا زمانہ رہا ہے تو زوال کا زمانہ ہونا بھی فطری عمل ہے۔ ہمیں اِس زوال کے اَسباب ختم کرنا ہوں گے تاکہ پھر سے عروج کا دَور شروع ہو سکے۔ برٹرینڈ رسل نے بھی کہا ہے کہ اِقتدار کبھی مشرق میں اور کبھی مغرب میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ آج کل مغرب کے عروجِ اِقتدار اور عظمت کا دَور ہے۔ لیکن برٹرینڈ رسل نے یہ بھی لکھا ہے کہ اَب مغربی تہذیب و ثقافت Hotchpotch of Individuals یعنی محض اَفراد کا اِجتماع بن کر رہ گئی ہے، جس کی تہذیب و ثقافت میں کوئی نظم، کوئی وحدت اور کوئی یکسانیت باقی نہیں رہی۔ اَب وہ معاشرہ شکستہ ہو رہا ہے اور شکست و ریخت کے اِس عمل کے بعد اُن کا اِقتدار ٹوٹے گا، اور برٹرینڈ رسل کے فلسفے کے مطابق حالات اور اَثرات یہ بتاتے ہیں کہ اَب اِقتدار پھر مشرق کی طرف پلٹے گا۔ یہ ایک تارِیخی عمل ہے جسے روکا نہیں جا سکتا۔

39- اِسلام اور غلامی کا خاتمہ

فقہِ اِسلامی کی کتابوں میں غلاموں اور لونڈیوں سے متعلقہ اَحکامات دیکھ کر بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید اِسلام غلامی کو جائز سمجھتا اور رواج دیتا ہے، جبکہ حقیقت اِس کے برعکس ہے۔ رُوئے اَرض سے غلامی کے خاتمہ میں اِسلام کا کردار سب سے اہم ہے۔ اِسلام کو غلامی وراثت میں ملی۔ ظہورِ اِسلام کے وقت کے حالات کے پیشِ نظر اُسے یک لخت ختم کرنا ممکن نہ تھا۔ تاہم آپ ﷺ نے ایسے اَحکامات جاری فرمائے اور غلاموں کے حقوق بارے ایسی ہدایات دیں جن سے بتدرِیج غلامی کا خاتمہ ہو گیا۔ ذاتی طور پر آپ نے غلام سازی کے عمل کو روکا اور پہلے سے جو غلام موجود تھے اُن کی آزادی اور معاشرے میں اُن کے باوقار مقام کے لئے اپنے عملِ مبارک سے مثال قائم کی۔

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

فقہِ اِسلامی میں اکثر بڑی خطاؤں کے کفارات میں پہلی ترجیح کے طور پر غلام آزاد کرنے کا حکم ملتا ہے۔ اگر غلام دستیاب نہ ہو تو پھر متبادل کفارات بیان کئے جاتے ہیں۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ اِسلام کو غلاموں کی آزادی کس قدر عزیز تھی۔

غلامی عرب معاشرے ہی کا حصہ نہ تھی بلکہ اُس کی اِبتداء آغازِ تاریخ سے ہی ہوئی۔ تاریخی اِعتبار سے غلامی کے آثار ہر زمانہ اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں۔ غلامی کی اِبتداء اُس وقت ہوئی جب اِنسانی معاشرہ وحشت کے مرحلے میں تھا اور اُس وقت بھی موجود رہی جب اِنسانی شعور نے ترقی کی منزلیں طے کر لی تھیں۔

دُنیا میں غلامی کی تاریخ حاکمیت و محکومیت اور فاتح و مفتوح کی تاریخ کے ساتھ ساتھ شروع ہوتی ہے۔ طاقتور قبائل کمزور قبائل کو فتح کرتے اور اُنہیں اپنا غلام بنا لیتے تھے۔ غلاموں کے رواج میں جنگوں کا کردار مرکزی ہے، اُن میں جو شکست خوردہ گرفتار ہوتے تھے اُنہیں یا تو قتل کر دیا جاتا تھا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا یا دائمی غلام بنا لیا جاتا تھا، اور جو عمر بھر کے لئے غلام بن جاتے تھے اُن سے ہر قسم کے کام لئے جاتے تھے، اُن میں آخری صورت زیادہ رائج تھی۔ جس نے رفتہ رفتہ لونڈی اور غلاموں کی تجارت کی شکل اِختیار کر لی۔ یہ لونڈی اور غلام معاشرتی زندگی کا ایسا حصہ بن گئے تھے کہ کوئی ملک اور کوئی قوم بھی غلامی کے رواج سے خالی نہ تھی۔

یونان، روم، مصر، ہندوستان ہر ملک میں غلامی رائج تھی، بعض ملکوں میں تو غلاموں کی تعداد ملک کی آزاد آبادی کے برابر تھی۔ خود یورپ میں اُنیسویں صدی کے وسط تک غلامی رائج تھی، یورپین قومیں محض جنگی قیدیوں ہی کو نہیں بلکہ نیم متمدن اَقوام کو بھی زبردستی غلام بنا لیتی تھیں۔ غلاموں کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر تھی، آقا اُن کی جان تک کا مالک ہوتا تھا، غلاموں کے قتل کی کوئی سزا نہ تھی، اُن سے طرح طرح کے پُر مشقت کام لئے جاتے تھے اور اَدنیٰ لغزش اور سرتابی کی بڑی سخت سزا دی جاتی تھی۔ اُن کی تمام اَملاک کا مالک آقا ہوتا تھا۔ تقریباً پوری دُنیا میں غلاموں کا یہی حال تھا۔

یونان کے مفکرین نے نوعِ اِنسانی کو دو قسموں میں تقسیم کیا تھا، 'پیدائشی آزاد' اور 'پیدائشی غلام'، اُن کے خیال میں دُوسری قسم (پیدائشی غلام) صرف پہلی جنس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

اَرسطو جیسے مفکر نے بھی غلامی کا رواج سوسائٹی کے لئے ضروری قرار دیا تھا۔ اُس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ریاست (State) کے قیام کی حقیقی غرض یہ ہے کہ وہ ہیئت اِجتماعی یا سوسائٹی کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنا سکے، اور اِس مقصد

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

کے لئے ناگزیر ہے کہ غلاموں کا وُجود بھی ہو تا کہ ریاست کے سخت جسمانی کام غلام انجام دے سکیں۔

اَلغرض اِسلام کی آمد سے قبل غلاموں سے کیا جانے والا سلوک جانوروں سے بھی بدتر تھا۔ آپ ﷺ نے خطبۂ حجۃُ الوداع میں اُنہیں شرف وتکریم عطا کی جس سے مسلم معاشرے میں بتدریج غلامی کے خاتمے کی روایت پروان چڑھی۔ تاجدارِ کائنات ﷺ نے خطبۂ حجۃُ الوِداع میں غلاموں کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

’’تمہارے غلام، تمہارے غلام، اُن سے اچھا سلوک کرو، اُنہیں وہی کچھ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، اور اُنہیں ویسا ہی پہناؤ جیسا تم خود پہنتے ہو۔ اگر وہ (غلام) ایسی غلطی کر بیٹھیں جسے تم معاف نہیں کرنا چاہتے تو اللہ کے بندو اُنہیں فروخت کر دو اور اُنہیں سزا مت دو۔ سنو! کیا میں نے پیغامِ الٰہی پہنچا دیا؟ اَے اَللہ گواہ رہ۔ اَے لوگو! سنو اور اِطاعت کرو اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام کو جو نکٹا ہو اَمیر بنا دیا جائے، جب کہ وہ تمہارے معاملات میں کتاب اللہ کو نافذ کرے۔‘‘

حضور اَکرم ﷺ نے حجۃُ الوِداع کے موقع پر یہ فرما کر اِنسانی تاریخ کے سب سے زیادہ مظلوم طبقہ ’غلام‘ کے حقوق کو تحفظ عطا فرمایا۔ حتی کہ آپ کے آخری دَور میں اور وِصال کے آخری لمحات میں بھی آپ ﷺ کی تمام تر توجہ کے مرکز مظلوم و مجبور غلام ہی تھے۔

آپ نے خطبۂ حجۃُ الوِداع میں تاکیداً فرمایا: تمہارے غلام، تمہارے غلام اور وِصال کے عین آخری لمحات میں ’’نماز اور غلام‘‘ کے کلمات زبانِ نبوی ﷺ سے اَدا ہوئے۔ جن سے اِنسانیت کے محسنِ اَعظم ﷺ کی نظر میں غلاموں کے مقام اور اُن کے حقوق کی اَہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کے یہ اَلفاظ تارِیخ میں مساواتِ اِنسانی کی بنیاد ہیں، جن کے ذریعہ آپ ﷺ نے تمیزِ بندہ و آقا مٹا ڈالی۔ آپ ﷺ کی اِن تعلیمات کا اَثر عہدِ نبوی ﷺ کے مقدس معاشرہ پر اور آپ ﷺ کے بعد اِسلامی تارِیخ کے مختلف اَدوار میں بھی جاری رہا۔

آج کے جدید تہذیبی اِرتقاء کے دَور میں اِس اَمر کا تصور بھی محال ہے کہ صدیوں پہلے کے عرب معاشرے میں غلام کو اِتنے حقوق دیئے جا سکتے تھے۔ یہ صرف مسلم معاشرہ تھا جہاں غلام کو آزاد شہریوں کے برابر اور مساوِی اِنسانی حقوق حاصل ہوئے، ورنہ دِیگر دُنیا میں دَورِ حاضر تک غلاموں کی صورتِ حال اَبتری کا شکار تھی۔ برطانیہ میں اِنسدادِ غلامی کا بل 1788ء میں Wilberforce نے پارلیمنٹ میں پیش کیا اور اُسے منظور کر کے قانون بننے میں 19 سال لگ گئے۔ امریکہ میں بھی 1863ء میں اِبراہام لنکن کے Emancipation Proclamation کے بعد ہی غلامی

کا خاتمہ ہو سکا۔

جب کہ حضور اَکرم ﷺ نے غلامی کے خاتمے کے لئے آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے غلاموں کو آزاد کرنے کی اِبتدا فرما دی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَن اِعتق رقبةً مُسلمةً اعتق الله بكل عضو منه عضواً من النار.

(صحيح بخاری، 6 : 2469، رقم: 9337)

’’جو مسلمان غلام کو آزاد کرے تو اَللہ تعالیٰ اُس کے ہر عضو کے عوض اُس کا عضو آگ سے آزاد فرمائے گا۔‘‘

آپ ﷺ نے غلام اور ذاتی ملازمین کو معاشرے میں باوقار مقام عطا کرنے کے لئے مختلف حقوق عطا فرمائے۔ غلاموں کو عزتِ نفس کا حق دیا، اگر کوئی اپنے غلام کو بلاوجہ طمانچہ مار دے تو اُس کا کفارہ اُس غلام کی آزادی کو قرار دیا۔ غلاموں کو اُن کے مالکوں کا بھائی قرار دیا اور اُن کے لئے ضروری قرار دیا کہ جیسا وہ خود کھائے ویسا ہی غلام کو بھی کھلائے اور جیسا خود پہنے ویسا ہی غلام کو بھی پہننے کو دے۔ اور اُسے ایسا کام کرنے کو نہ دے جس کی اُس میں طاقت نہ ہو۔ اور اگر کوئی ایسا کام دینا پڑے تو خود اُس کے ساتھ مدد کرے۔

یہ وہ دَور تھا جب اِسلامی ریاست سے باہر پوری دُنیا میں غلاموں کے ساتھ جانوروں جیسا اَبتر سلوک ہوتا تھا۔ اِسلام نے اُنہیں نہ صرف برابر کا شہری قرار دیا بلکہ آزاد مسلمانوں کا اِمام بننے کا موقع بھی دیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يؤمهم اقرء هم لكتاب الله ولا يمنع العبد من الجماعة بغير علة.

(تهذيب التهذيب، 3 : 190، رقم: 418)

’’لوگوں کی اِمامت وہ شخص کرے جو اُن سب میں کتاب اللہ کی قرأت زیادہ جانتا ہو اور شرعی عذر کے بغیر کسی غلام کو جماعت کروانے سے نہ روکا جائے۔‘‘

اَلغرض آپ ﷺ نے ایسی معاشرتی و سماجی روایت کی بنیاد رکھ دی، جس سے غلاموں کا سماجی و معاشرتی مرتبہ بڑھ گیا اور بتدرِیج اِنسانی شعور نے غلامی کے اِدارے کے کلی قلع قمع کو قبول کر لیا اور آج صفحہ ہستی سے اِنسانی

تکریم کے منافی اس institution کا خاتمہ ہو گیا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام "اِسلام اور اِنسانی حقوق")

40- اِسلام میں حقوقِ نسواں

اِسلام تاریخِ اِنسانی کا وہ پہلا دین ہے، جس نے آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل خواتین کو نہ صرف حقوق عطا کئے بلکہ اُن کی قانونی حیثیت کو بھی تسلیم کیا۔ قرآنِ مجید میں اُنہیں مَردوں کے برابر درجے کے معاشی حقوق عطا کئے گئے۔ فرمایا:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَ لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ. (النساء، 4 : 32)

''مردوں کے لئے اُس میں سے حصہ ہے جو اُنہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لئے اُس میں حصہ ہے جو اُنہوں نے کمایا۔''

ایک دُوسری آیت میں خانگی اور معاشرتی زندگی میں عورتوں کو مردوں کے مساوِی حقوق دیتے ہوئے فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ. (البقره، 2 : 228)

''اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اُسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر۔''

قرآنِ مجید کی یہ آیت حقوقِ اِنسانی کا ایک واضح چارٹر ہے، جس میں صرف خواتین کے حقوق ہی نہیں بلکہ مساوات کا ذِکر ہے کہ اُن کے لئے وہی حقوق ہیں جو مردوں کے لئے ہیں۔ جو اُن کی ذمہ داریاں ہیں اُنہی کے برابر اُن کے حقوق ہیں۔ اِسی طرح قرآنِ مجید میں ایسی سیکڑوں آیات موجود ہیں، جہاں خواتین کے حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ وہ دَور تھا جب دُنیا کی کسی تہذیب میں حتیٰ کے مغربی دُنیا میں (تیرہ چودہ سو سال بعد تک بھی) عورت کو وہ حقوق نہیں ملے، جو اِسلام نے عورت کو آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل دے دیئے۔

اِسلام نے عورت کو جو سیاسی حقوق عطا فرمائے اُس کی مثال ملاحظہ فرمائیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے دورِخلافت میں خواتین ممبر پارلیمنٹ تھیں۔ کتبِ حدیث اور کتبِ سیر و تاریخ میں ہے کہ آپ نے عورت کے حقِ مہر کی تحدید (limitation) کے لئے ایک بل پیش کرنا چاہا۔ ایک ممبر پارلیمنٹ خاتون صحابیہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور خلیفہ کے اُس

بل کو چیلنج کیا اور کہا کہ جب اللہ نے حد مقرر نہیں کی تو آپ کیسے حد مقرر کر سکتے ہیں؟ اِس پر سیدنا عمر فاروقؓ نے دریافت کیا کہ اِس نکتہ نظر کی تائید میں آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ اُس عورت نے قرآنِ مجید کی آیت کا حوالہ دیا:

وَ آتَيۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَاراً. (النساء، 4 : 20)

''اور تم اُسے ڈھیروں مال دے چکے ہو۔''

اُس عورت نے کہا کہ قرآنِ مجید کا لفظ 'قِنۡطَار' یہ ثابت کرتا ہے کہ مہر کے لئے کوئی حد مقرر کرنا درست نہیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے بحیثیتِ سربراہِ ریاست جواب دیا کہ قد أخطاء رجلٌ و أصابت امراۃٌ یعنی ''مرد (اِس رائے میں) خطا کر بیٹھا اور عورت نے صحیح رائے دی''۔ اور یوں آپ نے اپنا بل پارلیمنٹ سے واپس لے لیا اور فیصلہ عورت کی رائے پر دیا۔ (مصنف عبد الرزاق، ٦: ١٨٠، رقم: ١٠٤٢٠)

اِسی طرح جب سیدنا عثمان غنیؓ کا اِنتخاب عمل میں آیا تو طبقاتِ ابن سعد، طبری اور ابن الأثیر میں درج ہے کہ پارلیمنٹ میں سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ کے حق میں ووٹ برابر رہے، جس کی بناء پر جنرل الیکشن کروائے گئے۔ اُس موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چیف الیکشن کمشنر مقرر ہوئے۔ اِس واقعہ کا ذِکر کرتے ہوئے ہر کتاب میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ''ہر مرد اور ہر عورت نے ووٹ دیا''۔ اِسلام کا عورت کو ووٹ کا حق دینا آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی بات ہے، کوئی سترہویں صدی کا قصہ نہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے خود خواتین کو معاملات میں شریک کیا۔ دِفاع کی خدمات میں عورتیں شریک تھیں۔ حدیبیہ کے موقع پر پیدا ہونے والی بحرانی کیفیت سے نمٹنے کے لئے آپ ﷺ نے اُم المؤمنین حضرت سلمیٰؓ سے بطور ایڈوائزر مشورہ طلب کیا اور اُن کے مشورہ پر فیصلہ دیا۔ خواتین کا اِسلام میں تو یہ کردار رہا ہے کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ آٹھ ہزار صحابہ کی ٹیچر ہیں۔ اُن صحابہؓ نے آپ سے علم الحدیث پڑھا۔ وہ لٹریچر، لاء، تاریخ اور میڈیکل سائنس کی ماہر تھیں۔ اِسی طرح ڈپلومیٹک ریلیشنز میں سیدنا علی المرتضیٰؓ کی صاحبزادی حضرت اُم کلثومؓ کو حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دَور میں سفیر مقرر کر کے ملکۂ رُوم کی طرف بھیجا تھا۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت شفاء بنت عبداللہؓ کو مارکیٹ ایڈمنسٹریشن اور اِحتساب عدالت کا جج مقرر کیا، مارکیٹ ایڈمنسٹریشن کے معاملات فیصلہ کے لئے اُن کے پاس آتے تھے۔

پارلیمنٹ کی ممبر شپ، ڈپلومیٹک ذِمہ داریاں، سیاسی ذِمہ داریاں، ایڈوائزر کی ذِمہ داریاں اور دِیگر تمام ریاستی محکموں میں خواتین کے پاس ذِمہ داریاں تھیں اور وہ ریاست کے ہر شعبہ میں مردوں کے شانہ بشانہ کردار اَدا کرتی تھیں۔ اِسلام نے خواتین کو عزت دی، معاشرتی حقوق دیئے، قانونی حقوق دیئے، گواہی کا حق دیا، ڈومیسٹک رائٹس، اِکنامک رائٹس، کاروبار، تجارت، جاب حتیٰ کہ ووٹ کا حق دیا۔ یہ وہ دَور تھا جب مغربی دُنیا اَبھی اندھیرے میں تھی۔

اِسلام چونکہ فیملی سسٹم معاشرہ تشکیل دیتا ہے، اِس لئے کھانا اور رہائش مہیا کرنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ اِس لحاظ سے مرد کی کمائی میں عورت کا حق ہے مگر عورت کی کمائی میں مرد کا حق نہیں ہے کیوں کہ اِسلام نے یہ ذِمہ داریاں عورت پر نہیں ڈالیں۔ عورت اگر بزنس یا جاب کرے تو اُس کی مرضی وہ گھر میں خرچ کرے یا نہ کرے، مرد اُسے پابند نہیں بنا سکتا۔ اگر وہ ایک پائی بھی گھر میں خرچ نہیں کرتی تو وہ اللہ کے حضور گناہ گار نہیں ہے۔

حضور نبی اَکرم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر تین بار فرمایا کہ میں تمہیں عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اِسلام کی رُو سے باعزت شخص وہ ہے جو عورت کو عزت دے، اور جو عورت کی بے عزتی کرے وہ خود کمینہ اور بے عزت ہے۔ یوں آپ ﷺ نے عورت کی عزت کو مرد کی عزت کا معیار مقرر فرمایا۔ جو لوگ بیوی کو پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں اُنہیں حضور ﷺ کے اِس فرمان کے مطابق اپنا مقام پہچان لینا چاہیئے۔ اِسی طرح آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ خَيرُكم خَيرُكم لأهلِهِ و أنا خَيرُكم لأهلِي یعنی تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ سلوک میں بہتر ہے اور میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ تم سب سے بہتر سلوک سے پیش آتا ہوں۔

- عورت اگر 'ماں' کے رُوپ میں ہے تو اِسلام نے اُس کے پاؤں کے نیچے جنت رکھ دی۔
- عورت اگر 'بہن' اور 'بیٹی' کے رُوپ میں ہے تو اُس کی نیک کفالت کے نتیجہ میں جنت کی ضمانت رکھ دی۔
- عورت اگر 'بیوی' ہے تو اُس کے ساتھ حسنِ سلوک کے نتیجہ میں جنت کی اور اَللہ کی رضا کی ضمانت رکھ دی۔

عورت کو اَللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے اِتنا عظیم درجہ عطا کیا۔ ذرا سوچیئے کہ یہ سب کچھ اُس سوسائٹی میں نافذ ہو رہا ہے جہاں عورت کو پیدا ہوتے ہی زِندہ دفن کر دیتے تھے، اُنہیں قتل کر دیتے تھے۔ ظلم کی اِنتہاء یہ کہ اپنی ماؤں کو بھی مالِ وراثت کی طرح بانٹ لیتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ اُس دَور میں عورت کا کوئی حق ہی نہیں تھا۔ اُس بدترین دَور میں اِسلام نے اِتنا بڑا اِنقلابی قدم اُٹھایا۔ آج اِکیسویں صدی میں جب ہم یہ بات سنتے ہیں تو شاید عجیب

نہ لگے مگر ذرا اُس دَور کو چشمِ تصور میں لائیں اور تاریخ کی ورق گردانی کر کے سوچیں کہ آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے رُوم و اِیران میں عورت کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا تھا! چین اور ہندوستان میں عورت کو کیا حقوق میسر تھے! یونان اور بازنطین میں عورت کن حالات سے گزر رہی تھی! اور جزیرہ نما عرب میں کیسے حالات تھے، جن میں تاجدارِ کائنات ﷺ نے اچانک عورت کے حق میں اِتنا بڑا اِنقلابی قدم اُٹھایا اور اُسے وہ مساوات دی کہ آج بھی اِنسان کا ذِہن عورت کے حقوق کے حوالے سے اِسلام کی عطا کردہ تعلیمات سے آگے نہیں جا سکتا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اِسلام نے عورت کو بڑے حقوق دیئے مگر بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اُن کی تعلیم و تربیت نہیں دی جاتی۔ لوگوں کو اِسلام کے عطا کردہ حقوقِ نسواں سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔ اِس کا سبب صاف ظاہر ہے کہ اگر مولانا صاحب یہ بیان کر دیں تو اُنہیں سب سے پہلے اپنی بیوی کو وُہی حقوق دینے پڑ جائیں گے، جس کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے۔ دُوسروں کو اِسلام کا درسِ مساوات دے کر گھر میں اُن کی اپنی حکمرانی ختم ہو جائے گی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ کھانا پکانا بھی اَز رُوئے شرع عورت کے فرائض میں نہیں ہے۔ اگر وہ اِنکار کر دے کہ میں نہیں پکاتی یا مجھے پکانا نہیں آتا تو وہ اَللہ کے حضور گناہ گار نہیں ہو گی۔ مرد اُس پر زبردستی نہیں کر سکتا۔ یہ تو عورت کا اِحسان اور حسنِ سلوک ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ تعاوُن کر رہی ہے۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ جب عورت اپنے شرعی فرائض سے بڑھ کر حصہ لے رہی ہے تو اُس کے نتیجے میں مرد کو اُس کی حوصلہ اَفزائی کرنی چاہیئے۔ کبھی شام کو گھر آتے وقت پھول لیتا آئے، کوئی تحفہ لیتا آئے، کبھی شام کو باہر گھمانے کو لے جائے۔ اگر وہ یوں اُس کے حسنِ سلوک کا بدلہ دے تو اِزدواجی زندگی کتنا اچھا رُوپ دھار سکتی ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اِسلام کا صحیح چہرہ دِکھانے والے لوگ نہیں رہے اور باہر کی دُنیا کو اِسلام کا جو چہرہ پہنچتا ہے وہ اِسلام نہیں بلکہ ہمارے علاقائی طور طریقے ہیں جن کا اِسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ عورت کو اِسلام نے وہ بلند مقام عطا کیا ہے جو اِنسان کا ذِہن تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 1002)

41- مغربی دُنیا میں حقوقِ نسواں

برطانیہ میں وِیمن رائٹس کی مُوومنٹ کا آغاز ہی 1897ء میں ہوا ہے، اِس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ

مغرب نے عورت کو اُس کے بنیادی حقوق کس دَور میں دیئے ہیں۔ لندن میں ہماری ایک عزیزہ ہیں میڈم خدیجہ، جو میری بہو کی بھاوج ہیں، وہ کرسچین سے مسلمان ہوئی ہیں۔ اُن کی دادی اُس وِیمن رائٹس مووومنٹ کی لیڈر تھی۔ یوں 1897ء میں خواتین کے حقوق کی جس تحریک کا آغاز ہوا، اُس کے نتیجے میں برطانیہ کی خواتین کو 1918ء میں حقوق ملے۔ حتیٰ کہ ووٹ کا حق بھی 1918ء میں ملا، جو اِسلام نے آج سے پندرہ سو سال پہلے دیا تھا۔ ہاؤس آف کامنز میں ووٹنگ ہوئی، کل 385 ووٹ حق میں پڑے جبکہ 55 ووٹ مخالفت میں تھے۔ اُس ووٹنگ کے نتیجہ میں عورت کو صرف 30 سال سے زیادہ عمر ہونے کی صورت میں ووٹ کا حق دیا گیا۔ 30 سال سے کم عمر خواتین کو ووٹ کا حق پھر بھی نہیں دیا گیا، وہ کافی عرصہ بعد ملا۔

امریکہ میں 4 جولائی 1776ء کو Declaration of Independence جاری ہوا، جس میں خواتین کو کوئی حقوق نہیں ملے تھے۔ امریکی خواتین نے 1776ء سے لے کر 1920ء تک ڈیڑھ سو سال تک اپنے حقوق کے لئے جنگ لڑی تب اُنہیں ووٹ کا حق دیا گیا۔ یوں امریکہ میں خواتین کو ووٹ کا حق 1920ء میں ملا، اور اُس میں واضح لکھا ہے کہ اُس سے قبل امریکی عورت کو مرد کے برابر تسلیم نہیں کرتے تھے۔

فرانس میں یہ جدوجہد 7 فروری 1848ء میں شروع ہوئی اور سو سال کی جدوجہد کے بعد عورتوں کو 1944ء میں ووٹ ڈالنے کا حق ملا۔ ناروے کی خواتین کو 1907ء میں حق ملا، سوِیڈن میں 1921ء میں، ہالینڈ میں 1919ء میں، جاپان 1945ء میں، اَلغرض ہماری تصنیف ''اِسلام میں اِنسانی حقوق'' میں 144 ممالک کی تفصیل درج ہے کہ کس ملک نے کب عورت کو مرد کے برابر شہری تسلیم کیا اور ووٹ کا حق دیا۔ یہ مغربی دُنیا کا حال ہے اور اِس کے برعکس وہ حقوق جس کے لئے مغربی دُنیا کی خواتین کو سو دو سو سال تک اپنے حقوق لینے کے لئے جنگ لڑنی پڑی، اِسلام نے ڈیڑھ ہزار سال پہلے گھر بیٹھے بغیر جنگ لڑے اُنہیں وہ حقوق عطا کر دیئے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ''اِقتصادیاتِ اسلام'' اور سی ڈی نمبر: 1002)

42- خواتین کا حقِ وراثت

اِسلامی تعلیمات سے رُوشناس نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بیٹیوں کو بیٹوں کی نسبت کم وراثت ملنا اُن کے ساتھ نااِنصافی ہے۔ ایسی سوچ معاملہ فہمی میں کمی پر دلالت کرتی ہے۔ اِس سلسلے میں دو باتوں کو بغور

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

دیکھنے کی ضرورت ہے۔

پہلے یہ کہ خواتین کو صرف والد کی طرف سے ہی نہیں بلکہ کئی اَطراف سے وراثت میں حصہ ملتا ہے، یعنی عورت کو بیٹی، بیوی، بہن اور ماں ہر حیثیت میں وراثت میں حصہ دیا جاتا ہے۔ اِس لئے محض بیٹی ہونے کی حیثیت کو دیکھ کر رائے قائم کر لینا درست نہیں ہوگا۔

دُوسرے یہ کہ اِسلامی معاشرے کی اہم خوبی یہ ہے کہ خواتین پر کسی قسم کا معاشی کفالت کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔ یہ شوہر کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اُسے کما کر کھلائے، اُس کے باوجود اِسلام نے اُسے وراثت میں بھی حصہ دار ٹھہرایا۔ یہ اِسلام کی نااِنصافی نہیں بلکہ عورت پر اِحسان ہے، جو آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کے اُن حالات میں کیا گیا، جب بیٹیوں کو وراثت دینا تو کجا زِندہ رہنے کا حق بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ اِسلام نے عورت کو دوطرفہ شرف بخشا کہ ایک طرف تو اُس پر کسبِ معاش کی ذِمہ داری نہیں ڈالی اور دُوسری طرف اُسے وراثت میں باقاعدہ قانونی طور پر حصہ دار بھی بنا دیا۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ”اِسلام میں خواتین کے حقوق“)

43- کیا عورت آدھی ہے؟ (وراثت، شہادت اور دِیت کے تناظر میں)

عورت کے مقام کے حوالے سے ہمارے ہاں مروجہ دِینی تصورات ایسے گڈمڈ ہو چکے ہیں کہ سادہ لوح ذِہن سوال کرتا ہے کہ کیا عورت آدھی ہے؟ یا کیا عورت کو پورا اِنسان کہلانے کا حق حاصل نہیں؟ ایسے من گھڑت تصورات کی بنیاد وراثت، گواہی اور دِیت جیسے اُمور پر قائم ہے۔

وراثت: اِسلام میں تقسیمِ وراثت کے دوران بیٹی کی نسبت بیٹے کو دوگنا حصہ دیا جانا زیادتی تصور کرنا کم فہمی پر مبنی ہے۔ پہلی بات یہ کہ اِسلام نے عورت کو صرف بطور بیٹی نہیں بلکہ بیوی، بہن اور ماں ہونے کی حیثیت میں بھی وراثت کا حق دار قرار دیا ہے۔ دُوسرے عورت پر معاشی کفالت کا بوجھ نہ ڈالنے کے باوُجود اُسے وراثت میں اِتنی حیثیتوں میں حق دار قرار دینا ظلم نہیں بلکہ اِحسان ہے۔ ایک متوازن، مستحکم اور معاشی عدل و اِنصاف پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ مردوں کو وراثت میں زیادہ حصہ دیا جاتا تاکہ وہ اپنے اُوپر عائد جملہ عائلی ذِمہ داریوں سے بطور اَحسن عہدہ برآ ہوسکیں۔ گویا عورت کا حقِ وراثت مرد سے نصف نہیں کیا گیا بلکہ مرد کا حقِ وراثت اُس کی

اِضافی ذِمہ داریوں کی وجہ سے بڑھا دیا گیا ہے۔ یوں مرد اور عورت کی معاشرتی، سماجی اور عائلی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مالی توازُن قائم کر دیا گیا ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ''اِسلام میں انسانی حقوق'')

شہادت: یہ تصور بھی غلط ہے کہ اِسلام نے عورت کی گواہی کو نصف قرار دیا۔ قرآنِ مجید کی جس آیتِ کریمہ سے یہ تصور اَخذ کیا جاتا ہے اُسے سیاق و سباق کے ساتھ بغور دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں تو عورت کو یہ چھوٹ دی گئی ہے کہ وہ شہادت دیتے وقت دُوسری عورت سے مشورہ کر سکتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ مرد اگر عدالت میں گواہی کے دوران کسی سے مشورہ طلب کرے تو اُس کی گواہی مسترد کر دی جاتی ہے کہ وہ بھول رہا ہے، جب کہ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دورانِ شہادت اگر اپنی ساتھی عورت سے مشورہ کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ عدالت اُس کی گواہی کو محض اِس بناء پر ردّ نہیں کر سکتی کہ وہ دُوسری عورت سے مشورہ کیوں کر رہی ہے۔ آیتِ کریمہ ملاحظہ ہو:

أَن تَضِلَّ إِحدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحدٰهُمَا الأُخرَى. (البقرہ، ۲ : ۲۸۲)

''تاکہ اُن دو میں سے ایک عورت بھول جائے تو دُوسری اُسے یاد دلا دے۔''

دِیت: عورت کی دِیت (Blood Money) کو مرد سے نصف قرار دیا جانا بھی اِس غلط فہمی کا باعث ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ عورت قتل ہو یا مرد دونوں صورتوں میں اِسلام نے ایک ہی غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر عورت آدھی ہوتی تو عورت کے قتل پر ایک اور مرد کے قتل پر دو غلاموں کو آزاد کرنا ضروری ہوتا، جب کہ اَیسا نہیں ہے۔ اِسی طرح ساٹھ روزے رکھنے میں بھی مرد و عورت کا کوئی فرق نہیں۔ عورت قتل ہو یا مرد دونوں کی صورت میں ساٹھ روزے ہی کفارہ مقرر ہے۔ اگر عورت آدھی ہوتی تو اُس کے قتل کا کفارہ 30 روزے ہوتا، جب کہ اَیسا نہیں ہے۔ جب غلام کی آزادی اور ساٹھ روزے کی صورت میں عورت کو مرد کے برابر رکھا گیا ہے تو دِیت کے نام پر عورت کو آدھی قرار دینا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔ عورت کی دِیت کے حوالے سے علماء میں اِختلاف ہے۔ ہمارے ہاں عورت کی دِیت بھی مرد کے برابر ہے۔ عورت کی دِیت کو نصف قرار دینے والوں کو سوچنا چاہیئے کہ اگر اللہ ربّ العزت کا منشاء عورت کی نصف دِیت ہوتا تو وہ روزوں کی صورت میں کفارہ بھی آدھا قرار دیتا اور غلام کی آزادی کو بھی نصف قرار دیتا، جب کہ اَیسا نہیں ہے۔ جب اَللہ نے روزوں کا کفارہ برابر رکھا، غلام کی آزادی کی سزا برابر رکھی تو دِیت بھی

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

برابر ہونی چاہیئے۔ اِمام اَبوحنیفہؒ نے ساٹھ روزوں کے کفارے کی سزا کی برابری کی بناء پر غیر مسلم کی دِیت کو مسلمان کی دِیت کے برابر قرار دیا۔ اِسی طرح اِمام مالکؒ نے حرمِ مکہ میں قتل ہونے پر روزوں کے ساٹھ ہونے کی بناء پر دِیت کو دُگنا نہ کیا۔ اِسی قاعدے کے مطابق عورت کی دِیت بھی مرد کی دِیت کے برابر ہے کیوں کہ قرآنِ مجید میں دِیت کا بیان عمومی ہے اِس لئے عورت کی دِیت مرد کی دِیت کے برابر ہوگی۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 41)

44- بچوں کے حقوق

بچے کی زِندگی کا آغاز مرحلۂ جنین سے ہوتا ہے۔ اِسلام نے اس مرحلے سے بچے کے لئے زندگی کے حق کو قانونی حیثیت عطا کی ہے۔ چونکہ اِستقرارِ حمل کے چار ماہ بعد رحمِ مادر میں موجود بچے میں رُوح پھونک دی جاتی ہے، اِس لئے اُس وقت حمل ضائع کرنا رحمِ مادر میں بچہ کو قتل کرنا ہے جو کہ قتلِ اِنسانی کے مترادف ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔

فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اگر حاملہ چاہے تو 120 دن گزرنے سے پہلے اِسقاطِ حمل کر سکتی ہے۔ اگر حمل چار ماہ سے زائد ہو لیکن حمل برقرار رہنے کی وجہ سے عورت کی ہلاکت یقینی ہو، (جس کی ماہر ڈاکٹروں نے تصدیق کر دی ہو) تو چار ماہ کے بعد بھی اِسقاطِ حمل جائز ہے، بلکہ عورت کی جان بچانے کے لئے ضروری ہے، کیوں کہ اِسقاط نہ کرانے کی صورت میں بچہ اور ماں دونوں کی ہلاکت کا خطرہ ہے اور پیٹ کا بچہ جس کا زِندہ ہونا ظنی ہے اُس کی نسبت ماں کی جان زیادہ اہم ہے، جو یقینی اور مشاہد ہے۔ اِس لئے اُس صورت میں اِسقاط کرانا واجب ہے۔

لٰہذا رحمِ مادر میں اِستقرارِ حمل جب تک 120 دن یعنی چار ماہ کا نہ ہو جائے یعنی بچہ کے اندر روح پھونکے جانے سے قبل اِسقاطِ حمل کرانا اگرچہ جائز ہے مگر بلا ضرورت مکروہ ہے، جب کہ چار ماہ کا حمل بطنِ مادر میں ہو جائے تو اَب اُسے ضائع کرنا صرف ناجائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

یہ باپ کی ذِمہ داری ہے کہ وہ اپنے ہونے والے بچہ کا خرچ اُٹھائے، خواہ طلاق کی صورت میں اُس کی ماں کا خرچ اُس پر لازمی نہ ہو۔ اِسی طرح حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہے تا کہ بچہ کے نسب کا تحفظ ہو کیوں کہ اگر عورت دورانِ حمل دُوسری شادی کر لے تو پیدا ہونے والے بچہ کا نسب خلط ملط ہونے کا اندیشہ ہے۔

اِسلام سے پہلے لوگ اپنے اَولاد کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔ اِسلام نے اِس قبیح رسم کا خاتمہ کرنے کی

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

بنیاد ڈالی۔ بھوک اور اِفلاس کے خدشہ سے اَولاد کے قتل کی ممانعت کرتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا۝

(بنی اسرائیل، 17 : 31)

’’اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل مت کرو، ہم ہی اُنہیں (بھی) روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک اُن کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۝‘‘

اِسلام سے قبل بیٹیوں کی پیدائش کو نہایت برا اور قابلِ توہین سمجھا جاتا تھا اور اُنہیں زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ اِسلام نے اس خیالِ باطل کا ردّ کیا اور بیٹیوں کی پیدائش کو باعثِ رحمت قرار دیا۔ قرآنِ حکیم ایک مقام پر روزِ محشر کی سختیاں اور مصائب کے بیان کے باب میں فرماتا ہے:

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۝ (القرآن، التکویر، ۸۱ : ۸، ۹)

’’اور جب زِندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۝ کہ وہ کس گناہ کے باعث قتل کی گئی تھی۝‘‘

اِسی طرح نوزائیدہ بچے کا یہ حق ہے کہ اُس کا پیارا سا نام رکھا جائے۔ اِسلام سے قبل عرب اپنے بچوں کے عجیب نام رکھتے تھے، حضور نبی اَکرم ﷺ نے ایسے نام ناپسند فرمائے اور خوبصورت نام رکھنے کا حکم دیا۔

بچے کا یہ حق ہے کہ وہ خود کو اپنے ماں باپ کی طرف منسوب کر سکے۔ بچے کے لئے نسب کا حق صرف اُسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ ماں باپ کا بھی حق ہے۔ باپ کا حق اِس نسبت سے ہے کہ وہ اپنی اَولاد کے تحفظ اور تعلیم و تربیت کا اِختیار رکھتا ہے، اُسے اپنی اَولاد کی سرپرستی اور وِلایت کا حق ہے۔ جب اَولاد محتاج ہو اور باپ کمانے کی قدرت رکھتا ہو تو اُسے اَولاد کے لئے کمانے کا حق ہے اور اگر باپ اَولاد کی زِندگی میں فوت ہو جائے تو وہ اَولاد ترکہ میں سے حصہ پائے گی۔ اِسی طرح ثبوتِ نسب ماں کا بھی حق ہے کیوں کہ اَولاد ماں کا جزو ہے اور وہ فطری طور اِس بات کی شدید خواہش رکھتی ہے کہ اپنی اَولاد کی حفاظت اور بہتر پرورش کرے۔ اِسی طرح ماں باپ کے بڑھاپے اور طاقت نہ رکھنے کی صورت میں اُس پر خرچ کرنا اَولاد کا فرض ہے۔

اپنا حقیقی نسب تبدیل کرنے والوں اور خود کو اپنے باپ دادا کی بجائے کسی اور کی اَولاد قرار دینے والوں کے بارے میں حضور نبی اَکرم ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ’’جو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے متعلق دعویٰ کرے اور وہ جانتا ہو

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

کہ وہ اُس کا باپ نہیں تو اُس پر جنت حرام ہے۔‘‘

(صحیح بخاری، 6 : 2485، رقم: 6385)

پیدائش کے بعد بچہ کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زندگی کی حفاظت اور اَفزائش کے لئے ماں کے دُودھ کے علاوہ کوئی غذا اِستعمال کرے، اِس لئے وضعِ حمل کے بعد عورت کے پستانوں میں قدرتی طور پر دُودھ جاری ہو جاتا ہے اور بچہ کے لئے اُس کے دِل میں پیدا ہونے والی محبت و شفقت اُسے بچہ کو دُودھ پلانے پر اُکساتی ہے۔ اﷲ تعالیٰ نے عورت پر واجب کیا ہے کہ وہ بچہ کو پورے دو سال دُودھ پلائے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ مدت ہر طرح سے بچہ کی صحت کے لئے ضروری ہے۔

جدید میڈیکل ریسرچ سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بچہ کے جسمانی و نفسیاتی تقاضوں کے پیشِ نظر دو سال کی مدتِ رضاعت ضروری ہے۔ یہ اِسلام کی آفاقی اور اَبدی تعلیمات کا فیضان ہے کہ اَہلِ اِسلام کو زِندگی کے وہ رہنما اُصول صدیوں قبل عطا کر دیے گئے جن کی تائید و تصدِیق آج کی سائنسی تحقیقات کر رہی ہیں۔

بیٹیوں کی پرورش کے حوالے سے حضرت اَبوسعید خدری رضی اللہ عنہ رِوایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اَکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ اُن سے اچھا سلوک کرے تو اُس کے لئے جنت ہے۔‘‘

(جامع ترمذی، 4 : 318، 320، رقم: 1912)

بچوں کو اِسلامی تعلیمات سے شناسا کرنا اور اُنہیں اِسلامی آدابِ زندگی سکھانا ماں باپ کا فرض ہے۔ بسا اَوقات والدین کی غفلت سے بچے اِیمان کی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، بعد میں اُس کے والدین اُس کا مذہب تبدیل کرا دیتے ہیں۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ.

(صحیح بخاری، 1 : 465، رقم: 1319)

’’ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُس کے ماں باپ اُسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔‘‘

بچوں کی اچھی تربیت کر کے اُنہیں اچھا، ذِمہ دار اور مثالی مسلمان بنانا والدین کی ذِمہ داری ہے۔ اُن کی

منہاج سی ڈیز اینڈ بکس فیصل آباد
www.facebook.com/MinhajCDs
منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

تربیت کے مختلف مراحل کا ذِکر کرتے ہوئے حضور نبی اَکرم ﷺ نے فرمایا: ''اپنی اَولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں، اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو (نماز نہ پڑھنے پر تادیباً) اُنہیں مارو، اور (دس سال کی عمر میں) اُنہیں الگ الگ سلایا کرو۔'' (سنن ابو داؤد، 1 : 133، رقم: 495)

بچوں کا یہ حق ہے کہ والدین اُن کے ساتھ شفقت و محبت کے ساتھ پیش آئیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں: ''حضور نبی اَکرم ﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کو چوما تو آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوئے ایک شخص اَقرع بن حابس تمیمی نے کہا: میرے دس بچے ہیں، میں نے تو کبھی کسی کو نہیں چوما۔ رسولِ اَکرم ﷺ نے اُس کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔'' (صحیح بخاری، 5 : 2235، رقم: 5651)

والدین پر لازِم ہے کہ وہ بچوں کے مابین عدل و اِنصاف کا رویہ رکھیں، بصورتِ دیگر بچوں میں نفسیاتی طور پر اِحساسِ کمتری پیدا ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اَکرم ﷺ نے فرمایا: ''اپنے اَولاد کو تحفہ دیتے وقت برابری رکھو، پس میں اگر اُن میں سے کسی کو فضیلت دیتا تو بیٹیوں کو فضیلت دیتا۔''

(السنن الکبری للبیھقی، 6 : 177)

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ''اسلام میں بچوں کے حقوق'')

45- یتیموں کے حقوق

یتیم بچوں کے حقوق پر اِسلام نے بہت زور دیا ہے۔ اِس کا اندازہ اِس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآنِ حکیم میں 23 مختلف مواقع پر یتیم کا ذِکر کیا گیا ہے، جن میں یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک، اُن کے اَموال کی حفاظت اور اُن کی نگہداشت کرنے کی تلقین کی گئی ہے، اور اُن کے ساتھ زیادتی کرنے والے، اُن کے حقوق و مال غصب کرنے والے پر وعید کی گئی ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۝

(النساء، 4 : 10)

’’بے شک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گےo‘‘

یتیم ہونا اِنسان کا نقص نہیں بلکہ منشائے خداوندی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اُس نے اپنے محبوب ترین بندے سید المرسلین ﷺ کو حالتِ یتیمی میں پیدا فرمایا کہ آپ ﷺ کے والدِ ماجد آپ ﷺ کی وِلادت باسعادت سے بھی پہلے وِصال فرما چکے تھے۔ پھر چھ سال کی عمر میں ہی آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی اِنتقال فرما گئیں۔ اَﷲ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی اُس کیفیت کا ذِکر قرآنِ حکیم میں یوں کیا ہے:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى o (القرآن، الضحی، ۹۳ : ۶)

’’(اَے حبیب!) کیا اُس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر اُس نے (آپ کو معزز و مکرم) ٹھکانا دیاo‘‘

اَﷲ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے سے منع فرمایا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًاo (القرآن، النساء، ۴ : ۲)

’’اور یتیموں کو اُن کے مال دے دو اور بری چیز کو عمدہ چیز سے نہ بدلا کرو اور نہ اُن کے مال اپنے مالوں میں ملا کر کھایا کرو، یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہےo‘‘

یتیموں کی پرورش، اچھی تربیت اور اُن کے مال کی حفاظت کے حوالے سے فرمایا:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ج فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ط وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ط وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ج وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ج وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًاo

(القرآن، النساء، 4 : 6)

’’اور یتیموں کی (تربیۃً) جانچ اور آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم اُن میں ہوشیاری (اور حسنِ تدبیر) دیکھ لو تو اُن کے مال اُن کے حوالے کر دو اور اُن کے مال فضول خرچی اور

جلد بازی میں (اِس اندیشے سے) نہ کھا ڈالو کہ وہ بڑے ہو (کر واپس لے) جائیں گے، اور جو کوئی خوشحال ہو وہ (مالِ یتیم سے) بالکل بچا رہے اور جو (خود) نادار ہو اُسے (صرف) مناسب حد تک کھانا چاہئے اور جب تم اُن کے مال اُن کے سپرد کرنے لگو تو اُن پر گواہ بنا لیا کرو اور حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہےo‘‘

حضرت اَبو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اَکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خَیرُ بیتٍ في المُسلمینَ بیتٌ فیه یتیمٌ یُحسن إلیه، و شرُّ بیتٍ فی المُسلمینَ بیتٌ فیه یتیمٌ یُساء إلیه. (سنن ابن ماجه، ۲: ۱۲۱۳، رقم: ۳۶۷۹)

’’مسلمانوں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس کے ساتھ نیک سلوک ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اُس کے ساتھ برا سلوک ہو۔‘‘

حضرت سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیمِ فِيْ الْجَنَّةِ هٰکَذَا ...... و أشار بِالسّبابةِ و الْوسطی، و فرّج بینهما شیئًا. (صحیح بخاری، ۵: ۲۰۳۲، رقم: ۴۹۹۸)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اِس طرح (اکٹھے) ہوں گے......پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اَنگشتِ شہادت اور درمیانی اُنگلی سے اِشارہ فرمایا اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔‘‘

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ’’اِسلام میں بچوں کے حقوق‘‘)

46- بزرگوں کے حقوق

اِسلامی معاشرے میں عمر رسیدہ اَفراد خصوصی مقام کے حامل ہیں۔ اِس کی بنیاد اِسلام کی عطا کردہ وہ آفاقی تعلیمات ہیں جن میں عمر رسیدہ اَفراد کو باعثِ برکت و رحمت اور قابلِ عزت و تکریم قرار دیا گیا ہے۔ حضور نبی اَکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بزرگوں کی عزت و تکریم کی تلقین فرمائی اور بزرگوں کا یہ حق قرار دیا کہ کم عمر اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کا اِحترام کریں اور اُن کے مرتبے کا خیال رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا و یؤقر کبیرنا. (جامع ترمذی، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۹)

’’وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔‘‘

اِسی طرح عام سماجی و معاشرتی معاملات میں بھی آپ ﷺ نے بڑوں کی تکرِیم کرنے کی تعلیم دی۔ صحیح بخاری میں آپ ﷺ نے فرمایا: کَبِّرِ الْکُبْرَ (یعنی ’’بڑے کے مرتبے اور عزت کا خیال رکھو‘‘)۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے نوجوانوں کو بزرگوں کی عزت و تکریم کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

ما أکرم شابٌّ شیخاً لسنه إلا قیض اللہ له من یکرمه عند سنه.

(جامع ترمذی، 4 : 372، رقم: 2022)

’’جو جوان کسی بوڑھے کی عمررسیدگی کے باعث اُس کی عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس جوان کے لیے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے جو اُس کے بڑھاپے میں اُس کی عزت کرے۔‘‘

حضرت ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

البرکة فی أکابرنا، فمن لم یرحم صغیرنا و یجل کبیرنا فلیس منا.

(المعجم الکبیر، 8 : 228، رقم: 7895)

’’ہمارے بڑوں کی وجہ سے ہی ہم میں خیر و برکت ہے۔ پس وہ ہم میں سے نہیں، جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔‘‘

عمررسیدہ اَفراد کا اِس قدر اِحساس دِلایا گیا ہے کہ ضعیفُ العمر اَفراد کی سہولت کے لئے حضور ﷺ نے نماز باجماعت میں طوِیل تلاوت کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت اَبوہریرہؓ سے مروِی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إذا صلّی أحدکم للناس فلیخفف، فإنّ منهم الضعیف و السّقیم و الکبیر، و إذا صلّی أحدکم لنفسه فلیطوّل ما شاء. (صحیح بخاری، ۱ : ۲۴۸، رقم: ۶۷۱)

’’جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے کیوں کہ اُن میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، اور جب تم میں سے کوئی تنہا نماز پڑھے تو جتنا چاہے طول دے۔‘‘

(ماخوذ از تصنیف شیخ الاسلام ’’اِسلام میں عمررسیدہ اور معذور افراد کے حقوق‘‘)

47- اَقلیتوں کے حقوق

اِسلام شرفِ اِنسانیت کا علمبردار دِین ہے۔ ہر فرد سے حسنِ سلوک کی تعلیم دینے والے دِین میں کوئی ایسا اُصول یا ضابطہ روَا نہیں رکھا گیا، جو شرفِ اِنسانیت کے منافی ہو۔ دِیگر طبقاتِ معاشرہ کی طرح اِسلامی ریاست میں اَقلیتوں کو بھی اُن تمام حقوق کا مستحق قرار دیا گیا ہے، جن کا ایک مثالی معاشرے میں تصور کیا جا سکتا ہے۔ اَقلیتوں کے حقوق کی اَساس معاملاتِ دِین میں جبر و اِکراہ کے عنصر کی نفی کر کے فراہم کی گئی:

لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّینِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللهُ سَمِیعٌ عَلِیمٌ. (البقره، ۲: ۲۵۶)

’’دِین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے، سو جو کوئی معبودانِ باطل کا اِنکار کر دے اور اَﷲ پر اِیمان لے آئے تو اُس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لیے ٹوٹنا (ممکن) نہیں، اور اَﷲ خوب جاننے والا ہے۔‘‘

دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا:

لَکُمْ دِینُکُمْ وَ لِیَ دِینِ. (الکافرون، ۱۰۹: ۶)

’’(سو) تمہارا دِین تمہارے لیے اور میرا دِین میرے لیے ہے۔‘‘

اِسلامی معاشرے میں اَقلیتوں کے حقوق کو کتنی زیادہ اَہمیت دی گئی ہے اِس کا اَندازہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اِس فرمانِ مبارک سے ہوتا ہے:

ألا مَن ظلم معاهداً أو انتقصه أو کلفه فوق طاقته أو أخذ منه شیئاً بغیر طیب نفس فأنا حجیجه یوم القیامة. (سنن ابوداؤد، ۳: ۱۷۰، رقم: ۳۰۵۲)

’’خبردار! جس کسی نے کسی معاہد (اَقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اُس کا حق غصب کیا یا اُس کو اُس کی اِستطاعت سے زیادہ بوجھ ڈالا یا اُس کی رضا کے بغیر اُس سے کوئی چیز لی تو بروزِ قیامت میں اُس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا۔‘‘

یہ صرف ایک تنبیہ ہی نہیں بلکہ ایک قانون ہے، جو حضور نبی اَکرم ﷺ کے دَورِ مبارک میں اِسلامی مملکت میں جاری تھا، جس پر بعد میں بھی عمل درآمد ہوتا رہا اور اَب بھی یہ اِسلامی دستورِ مملکت کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ ایک رِوایت میں ہے:

أنّ رجلا من المسلمين قتل رجلا من أهل الكتاب، فرفع إلى النبی ﷺ، فقال رسول الله ﷺ: أنا أحق من وفى بذمته، ثم أمر به فقتل.

(السنن الكبریٰ للبيهقی، ۸: ۳۰)

''ایک مسلمان نے ایک اہلِ کتاب کو قتل کر دیا اور وہ مقدمہ حضور نبی اَکرم ﷺ کے پاس فیصلہ کے لئے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اہلِ ذِمہ (اَقلیتوں) کا حق اَدا کرنے کا سب سے زیادہ ذِمہ دار ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے قاتل کے بارے میں قتل کرنے کا حکم دیا اور اُسے قتل کر دیا گیا۔''

حضور نبی اَکرم ﷺ اَقلیتوں کے بارے مسلمانوں کو ہمیشہ متنبہ فرماتے تھے، چنانچہ ایک دِن آپ ﷺ نے معاہدین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

مَن قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة وان ريحها تُوجد من مسيرة أربعين عاماً.

(صحيح بخاری، 3: 1154، رقم: 2995)

''جس کسی نے کسی معاہد (اَقلیتی فرد) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا، حالاں کہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔''

اِس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جنت سے بہت دُور رکھا جائے گا۔ دراصل یہ تنبیہات اُس قانون پر عمل درآمد کروانے کے لئے ہیں، جو اِسلام نے اَقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے عطا کیا۔

غیرمسلموں کے جو بیرونی وفود حضور نبی اَکرم ﷺ کی خدمت میں آتے اُن کی حضور نبی اَکرم ﷺ خود میزبانی فرماتے۔ چنانچہ جب مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حبشہ کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا تو آپ ﷺ نے اُنہیں مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا اور اُن کی مہمان نوازی خود اپنے ذِمہ لی اور فرمایا:

منہاج سی ڈیز اینڈ بکس فیصل آباد
www.facebook.com/MinhajCDs
منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

أنّهم كانوا لأصحابنا مكرمين، و انی أحب أن أكافئهم.

(شعب الایمان للبیہقی، 6 : 518، رقم: 9125)

’’یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کے لئے ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ اِس لئے میں نے پسند کیا کہ میں بذاتِ خود اُن کی تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی کروں۔‘‘

ایک دفعہ نجران کے عیسائیوں کا چودہ رکنی وفد مدینہ منورہ آیا۔ آپ ﷺ نے اُس وفد کو مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا اور اُس وفد میں شامل مسیحیوں کو اِجازت دی کہ وہ اپنی نماز اپنے طریقہ پر مسجدِ نبوی میں ادا کریں۔ چنانچہ یہ مسیحی حضرات مسجدِ نبوی کی ایک جانب مشرق کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے۔

حضور نبی اَکرم ﷺ کی اِن تعلیمات کی روشنی میں ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے باوُجود آپ ﷺ کے زمانے سے لے کر ہر اِسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو حقوق کا تحفظ حاصل رہا۔

اَقلیتوں سے حضور نبی اَکرم ﷺ کے حسنِ سلوک کا نتیجہ تھا کہ اُن کا برتاؤ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اِحترام پر مبنی تھا۔ ایک جنگ میں آپ ﷺ کا حلیف ایک یہودی جب مرنے لگا تو لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ تیری بڑی جائیداد ہے، اُس کا وارِث کون ہوگا؟ تو اُس یہودی نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ میری جائیداد کے وارِث ہوں گے۔ یہ اِسلامی ریاست میں اَقلیتوں سے حسنِ سلوک کا ایک غیر مسلم کی طرف سے ایک عظیم اِعتراف تھا۔

آپ ﷺ کا اہلِ کتاب کے علاوہ مشرکین (بت پرست اَقوام) سے جو برتاؤ رہا، اُس کی بھی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ مشرکینِ مکہ و طائف نے آپ ﷺ پر بے شمار مظالم ڈھائے، لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ ﷺ کے ایک اَنصاری کمانڈر سعد بن عبادہؓ نے اَبوسفیان سے کہا:

اليوم يوم الملحمة.

’’آج لڑائی کا دن ہے۔‘‘

یعنی آج کفار سے جی بھر کر اِنتقام لیا جائے گا، تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے اور اُن سے جھنڈا لے کر اُن کے بیٹے قیس کے سپرد کر دیا اور اَبوسفیان سے فرمایا:

اليوم يوم المرحمة.

(فتح الباری لابن حجر عسقلانی، 8 : 9)

’’(آج لڑائی کا نہیں بلکہ) آج رحمت کے عام کرنے (اور معاف کر دینے) کا دِن ہے۔‘‘

پھر آپ ﷺ نے اپنے مخالفین سے پوچھا کہ بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟ تو اُنہوں نے کہا کہ جیسے حضرت یوسفؑ نے اپنے خطا کار بھائیوں کے ساتھ برتاؤ کیا تھا آپ ﷺ سے بھی وُہی توقع ہے۔ اِس جواب پر آپ ﷺ نے وُہی جملہ اِرشاد فرمایا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے لئے فرمایا تھا: **لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ**(یعنی تم سے آج کوئی پوچھ گچھ نہیں، چلے جاؤ، تم سب آزاد ہو)۔

(الجامع الصغير، 1 : 220، رقم: 368)

اِسلام نے اَقلیتوں کو قانون کی نظر میں برابر کے شہری کا مقام عطا کیا، اُنہیں قانون کے نفاذ میں مساوات کا حق دیا، اُنہیں نجی زندگی اور شخصی رازداری کا حق دِیا، مذہبی آزادی کا حق دِیا، اِقتصادی اور معاشی آزادی کا حق دیا، ریاست کی طرف سے اِجتماعی کفالت میں اَقلیتوں کو بھی حق دار قرار دیا، اُنہیں روزگار کی آزادی کا حق دیا یعنی مسلمان ریاست میں اُنہیں کسی خاص ذریعۂ روزگار تک محدود رہنے کا پابند نہیں بنایا جا سکتا۔ اُنہیں عام شہری کی طرح تحفظ اور سلامتی کا حق دیا، اُنہیں تمدنی اور معاشرتی آزادی کا حق دیا۔ اَقلیتوں کی حفاظت اِسلامی رِیاست کی ذِمّہ داری قرار دی۔ یہاں تک کہ اُنہیں عسکری خدمات سے اِستثناء کا حق بھی دیا۔ اِسی طرح اَقلیتوں سے معاہدے کی پاسداری بھی اِسلامی رِیاست کا فریضہ قرار دیا۔

اَقلیتوں کے حقوق کے بارے میں قرآن وسنت کی عطا کی گئی تعلیمات اور دَورِ نبوت و دَورِ خلافتِ راشدہ میں اَقلیتوں کے حقوق کے اِحترام وتحفظ کے روشن نظائر سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ مسلم ریاست میں اَقلیتوں کو وہ تحفظ اورحقوق حاصل ہیں، جن کا تصور بھی کسی دُوسرے معاشرے میں نہیں کیا جا سکتا۔ معروف مستشرق منٹگمری واٹ اِس عظمت کا اِعتراف اِن لفظوں میں کرتا ہے:

> The Christian were probably better off as Dhimis under Muslim Arab rulers than they had been under the Byzantine Greek.

(Islamic Political Thought, p. 151)

’’عیسائی اپنے آپ کو یونانی بازنطینی حکمرانوں کی رعیت میں رہنے کی بجائے عرب مسلم حکمرانوں کے اِقتدار میں بطور ذِمی زیادہ محفوظ اور بہتر سمجھتے تھے۔‘‘

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ’’اِسلام میں انسانی حقوق‘‘)

48- کرسمس کی تقاریب کا اِہتمام اور اُن میں شرکت

اِس میں کوئی دو آراء نہیں ہیں کہ کرسمس مسیحیوں کا مذہبی تہوار ہے۔ مسلمانوں کے لیے اُسے مذہبی طور پر اپنانا جائز نہیں۔ تاہم جذبۂ خیر سگالی کے تحت مذہبی رواداری کے فروغ کے لئے مسیحی مذہب کے پیروکاروں کے لئے کرسمس کی تقاریب کا اِنعقاد یا اُن کی طرف سے منعقد کردہ پروگراموں میں شرکت قطعاً غیر شرعی نہیں ہے۔ بعض نادان لوگ اِس کی حکمت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اِسے یہود و نصاریٰ سے مشابہت قرار دیتے ہیں، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

تحریک منہاج القرآن کے شعبہ Interfaith Relations اور Muslim Christian Dialogue Forum (MCDF) کے زیرِاہتمام سال 1998ء سے کرسمس کی تقاریب منعقد ہوتی آ رہی ہیں۔ اگرچہ پاکستان میں مسیحی برادری کے لیے اِس جذبۂ خیر سگالی کا اِہتمام تحریکِ منہاج القرآن نے 1998ء میں کیا تھا، لیکن اَب یہ پاکستان کے کم و بیش تمام مسالک کے علماء کا معمول بن چکا ہے۔ ہر سال بریلوی، دیوبندی، اہلِ حدیث، جماعتِ اِسلامی سمیت دِیگر مذہبی جماعتوں کے اَکابرین کی کرسمس کے تہواروں میں شرکت اور کرسمس کیک کاٹنے کی تصاوِیر قومی اَخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

تحریکِ منہاج القرآن کے اِسی مصالحانہ طرزِعمل کا نتیجہ ہے کہ عالمی سطح پر اُمتِ مسلمہ کے خلاف نفرت میں کمی ہو رہی ہے اور دُوسری قومیں مسلمانوں کے قریب آنا شروع ہوگئی ہیں۔ وہ مسلمانوں کے تہواروں کے موقع پر اپنے ہاں ضیافتوں کا اِہتمام کرتی ہیں، جیسا کہ سال 2010ء کی عید کے موقع پر برطانیہ میں حکومتی سطح پر ہوا ہے۔ اِسی طرح پاکستان کے گرجا گھروں میں بھی محافلِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کا اِنعقاد شروع ہو چکا ہے۔ تحریکِ منہاج القرآن کی فروغِ اَمن کی پالیسیوں اور مصالحانہ کاوِشوں کا ثمر ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں پہلی بار فروری 2010ء میں Baptist Church میں محفلِ میلاد کا اِنعقاد کیا گیا۔ (www.minhaj.org/uid/9914) یہاں تک کہ حضور نبی اَکرم ﷺ کے تمسخر کی خاطر بنائے جانے والے توہین آمیز خاکوں کے خلاف مسیحیوں نے مسلمانوں کے

نبی ﷺ کے حق میں پروگرام منعقد کیے ہیں۔ اِس کی واضح مثال نولکھا پریسبیٹرین چرچ لاہور میں منعقد ہونے والا اجلاس ہے، جس میں مسیحی برادری نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر توہین آمیز خاکوں کی اِشاعت کی پرزور مُذمت کی۔ (www.minhaj.org/uid/11835) اِسی طرح سال 2010ء میں Facebook پر اِس طرح کے توہین آمیز خاکے بنانے کا مقابلہ کرانے کے اِعلان پر آرگنائزر کو خود مغربی دُنیا کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، نتیجتًا یہ ناپاک مقابلہ منسوخ کر دیا گیا۔ امریکی ریاست فلوریڈا کے پادری Pastor Terry Jones کی جانب سے 9 ستمبر 2010ء کو نعوذ باللہ بطور Burn Quran Day منانے کا اِعلان کیا گیا تھا، لیکن مسلم و غیرمسلم دنیا کی شدید تنقید کے باعث مذکورہ پادری نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ یہ تمام اِقدامات صرف مصالحانہ اور معتدل طرزِعمل کے باعث ممکن ہوئے ہیں۔

موجودہ دَور میں دُنیا ایک عالمی گاؤں کی شکل اِختیار کر چکی ہے۔ غیرمسلم بالخصوص مسیحی اکثریت والے مغربی ممالک میں مسلمانوں کی کثیر تعداد آباد ہے۔ وہاں مسلمانوں کو مساجد کے قیام اور مذہبی اَقدار پر عمل درآمد اور اپنے مذہبی تہوار منانے کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ وہاں بڑی بڑی مساجد قائم ہیں۔ نماز پنج گانہ اور جمعہ کا باقاعدہ اِہتمام ہوتا ہے۔ عیدین کے موقع پر تو مسلمان بڑے بڑے پارک اور ہال بک کروا کر اِجتماعی عید کا اِہتمام کرتے ہیں۔ سکولوں میں مسلمان بچوں کو عید پر باقاعدہ چھٹی دی جاتی ہے۔

وہاں کی حکومتیں اور دیگر منتظمین مسلمانوں کے تہواروں پر سرکاری سطح پر تقارِیب کا اِہتمام کرتے ہیں اور اُن تقارِیب میں مسلمانوں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے دِینی تہواروں کے موقع پر غیرمسلم ممالک کے حکمران اور قائدین مسلمانوں کو مبارک باد دیتے ہیں اور اُن کے لیے نیک تمناؤں کا اِظہار کرتے ہیں۔ ہم ہر سال رمضان المبارک کی آمد اور عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر عالمی سربراہوں کے بیانات اَخبارات میں پڑھتے اور ریڈیو و ٹی-وی پر سنتے ہیں۔ سال 2010ء میں برطانیہ کے دفترِ خارجہ کی طرف سے عیدالفطر کی تقریب کا اِنعقاد کیا گیا، جہاں ہر مسلک کے علماء و مشائخ، معروف کاروباری شخصیات سمیت مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد شریک تھی اور برطانوی کابینہ کے پانچ وزراء بھی مسلمانوں کے لیے عیدالفطر کی تقریب میں آئے۔ اِسی طرح برطانیہ کے وزیراعظم نے عیدالاضحیٰ کے چند دِنوں بعد لندن کی 10 ڈاؤننگ اسٹریٹ میں واقع وزیراعظم سیکرٹریٹ میں پہلی بار عید ملن پارٹی کا اِہتمام کیا اور مسلم عمائدین کو وہاں دعوت دی۔ یہ تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے۔ پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآنِ حکیم سے

ہوا، جب کہ پورے پروگرام کے دوران میں برطانیہ کا مشہور نعت خواں گروپ 'عاشقِ رسول' درود وسلام کا وِرد کرتا رہا۔ مغربی حکومتوں اور دِیگر سیاسی شخصیات اور سماجی و معاشرتی تنظیموں کی طرف سے اُن ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے عیدملن پارٹیز کا اِہتمام ایک معمول کی بات بن چکی ہے۔

اَب اَیسے عالمی ماحول میں وہاں رہنے والے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے دُنیا کے ممالک کو یہ پیغام دینا لازِمی ہے کہ اِسلام کی وسعتِ نظری سب سے بڑھ کر ہے، اِسلام کا دامنِ رحمت سب سے کشادہ ہے اور مسلمانوں میں دُوسروں کی برداشت کا جذبہ سب سے زیادہ موجود ہے۔ اِسلام رجعت پسندانہ مذہب نہیں بلکہ وسیع ترین دین ہے۔ اِسی بنا پر غیر مسلموں کے تہواروں پر جذبۂ خیر سگالی کا اِظہار کرتے ہوئے مسلمان بھی اُنہیں جواب دے دیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ دُوسری اَقوام و مذاہب کے ماننے والوں کے لیے اِسلامی ریاست اور مسلمان ویسے ہی کشادہ دِل ہیں جیسے وہ مسلمانوں کے لیے ہیں۔ اِسلامی ریاست میں اَقلیتوں کو برابری کی حیثیت حاصل ہے اور اُن کو بھی مذہبی آزادی حاصل ہے۔ بحیثیتِ اِنسان اُن کی جان کی حرمت بھی ویسے ہی ہے جیسے ایک مسلمان کی جان؛ اُن کے مال و اَسباب کی حفاظت ویسے ہی لازِم ہے جیسے مسلمانوں کے مال و اَسباب کی۔ بحیثیت شہری اُن کو بھی وُہی حقوق حاصل ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور اُن کو اپنے مذہبی تہوار منانے کی آزادی حاصل ہے۔

یہ اَمر واضح رہنا چاہیئے کہ عیسائیوں کے لیے کرسمس ڈے کی تقارِیب کے اِنعقاد کا مقصد قطعی طور پر یہ نہیں کہ عامۃُ المسلمین مسیحیوں کے تہواروں میں شرکت کرنا شروع کر دیں، مسلمان وسیع پیمانے پر کرسمس کی تقارِیب کا اِہتمام کرنے لگ پڑیں یا اپنے مذہبی تہواروں کو چھوڑ کر دُوسرے مذاہب کے تہوار اپنانا شروع کر دیں۔ بلکہ علامتی سطح پر اَیسے پروگراموں کے اِنعقاد کا مقصد صرف یہ ہے کہ بین المذاہب روَاداری کو فروغ ملے اور عالمی سطح پر مسلمانوں اور غیرمسلموں کے مابین پائے جانے والے اِختلافات کی خلیج کم ہو۔ اِسلام کو محبت، اَمن، روَاداری اور بقائے باہمی کے مذہب کے طور پر جانا جائے اور مسلمانوں کے لیے دُنیا بھر میں مشکلات کم ہوں اور اُنہیں دِیگر غیر مسلم ممالک میں حاصل مذہبی آزادیاں قائم رہیں۔

(برائے مزید مطالعہ ملاحظہ ہو: www.minhaj.com.pk/ur/261/)

49- مُرتد کی سزا اور اِنسانی حقوق

وہ مسلمان جو دائرہ اِسلام سے خارج ہونے کا اِعلان کرے اُس کا معاملہ اَقلیتوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اَحکامِ اِسلام کا پابند ہونے اور اُس کے عقیدہ پر اِیمان لانے کے بعد اُس سے پلٹتا ہے تو وہ گویا اپنے اُس اِرتداد سے ایک فتنہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور مملکت سے بغاوت کرتا ہے، جو موجبِ سزا ہے۔ اِس لئے کہ وفائے عہد سے برگشتگی ملکی قانون سے بغاوت ہونے کے ناتے بہت بڑا جرم ہے اور یہ اَمر دَورِ جدید کے قانون میں بھی معروف و متعین ہے، جس کی سزا دُنیا کے اکثر ریاستی قوانین میں موت مقرر کی گئی ہے۔

اِرتداد کی سزا کے نظائر دُنیا کے اکثر آئینی و دساتیری قوانین میں موجود ہیں۔ اِسلام نے مرتد کو سزا دینے سے قبل اُسے راہِ راست کی قبولیت کا موقع پانے کا حق بھی عطا کیا ہے۔ حضرت اِمام محمد بن حسن شیبانیؒ فرماتے ہیں:

و إذا ارتد المُسلم عن الاسلام عرض عليه الاسلام فان أسلم وإلا قتل مكانه إلا أن يطلب أن يوجله، فان طلب ذلك أجل ثلاثة أيام. (السير الصغير: ٣٨)

’’اگر کوئی مسلمان اِسلام سے برگشتہ ہوجائے تو اُسے دوبارہ اِسلام کی دَعوت دی جائے گی۔ اگر وہ اِسلام قبول کر لے تو خوب، بصورتِ دِیگر اُسے فوراً قتل کر دیا جائے گا، تاہم اگر وہ غور وفکر کے لئے کچھ مہلت طلب کرے تو اُسے تین دِن کی مہلت دی جائے گی۔‘‘

اگر اِرتداد کا اِرتکاب عورت نے کیا ہو تو اُسے مرد مرتد کی نسبت رُجوع اِلی الحق کے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں گے:

ولا تُقتل المُرتدةُ ولكنها تحبس أبداً حتى تسلم بلغنا عن ابن عباس أنه قال: إذا ارتدت المرأةُ عن الاسلام حبست ولم تقتل و بلغنا عن رسول الله ﷺ انه نهى عن قتل نساء المُشركين فى الحرب فادر القتل عنها بهذا ومالها وكسوتها كله لها. وأفعالها فى البيع والشرىٰ والعتق والهبة كلها جائزة. (السير الصغير: ٤١)

’’مرتد ہوجانے والی عورت کو سزائے موت نہیں دی جائے گی بلکہ اُسے عمر قید کی سزا دی جائے گی یا اُس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک وہ دوبارہ اِسلام قبول نہ کر لے۔ ہم تک حضرت اِبن عباسؓ کا یہ فرمان

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

پہنچا ہے کہ جب کوئی عورت اِرتداد اِختیار کرے تو اُسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید کیا جائے گا۔ حضور نبی اَکرم ﷺ نے بھی میدانِ جنگ میں مشرکین کی عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اِس معاملے میں بھی میں اُنہیں قتل سے بچانا چاہوں گا۔ اُس کی اَملاک و اَموال اُس کی ملکیت رہیں گے اور اُس کے خرید وفروخت، غلاموں کی آزادی، اور ہدیہ سے متعلق معاہدے و اَفعال معتبر ہوں گے۔‘‘

و إذا رفعت المُرتدةُ إلی الامام فقالت: ما ارتددت، و أنا أشهد أن لا اله الا الله و أن محمد رسول الله کان هذا توبة منها.

’’جب کسی مرتدہ کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ اپنے اِرتداد کا اِنکار کرتے ہوئے کہے کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اَللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اَللہ کے رسول ہیں تو یہ اُس کی توبہ تصور کی جائے گی (اور اُسے سزا نہیں ہو گی)۔‘‘

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ’’اسلام میں انسانی حقوق‘‘)

50- مادّہ پرستی اور اِنکارِ آخرت

مادّہ پرستی کی روِش نے ہمیں دِین کی تعلیمات سے اِس قدر بے خبر کر دیا ہے کہ ہم آخرت کے اِنکار تک جا پہنچے ہیں۔ کچھ اَیسے ہیں جو منہ سے بول کر تو اِنکار نہیں کرتے مگر اُن کے اَعمال کی بنیاد آخرت کے اِنکار پر ہے، جب کہ بعض لوگ اِس حد تک چلے گئے ہیں کہ وہ علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی باتیں کرنا مولویوں کی باتیں ہیں، ایسا کیسے ممکن ہے!

یوں اِنعقادِ قیامت اور نظامِ جزا و سزا کا اِنکار کیا جا رہا ہے، جس میں برزخی و اُخروی زندگی اور حیات بعد الموت کا اِنکار بھی شامل ہے۔ اِس کی جگہ یہ اِعتقاد پختہ ہو رہا ہے کہ یہی زندگی سب کچھ ہے اور اِس کے بعد کوئی زِندگی نہیں، جس میں یہاں کے معاملات کا حساب و کتاب ہو سکے۔ بدقسمتی سے اُمتِ مسلمہ بالعموم مادّہ پرستی کے چنگل میں پھنس کر رُوحانی زِندگی سے دُور ہٹتی چلی جا رہی ہے۔ اِسلام کو بھی مادّہ پرستی کا لبادہ پہنایا جا رہا ہے۔ آج کا تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ بالعموم مادّیت زدگی، فکری اِفلاس، اِبہام اور تشکیک کا شکار ہے۔ اُس کی نظر میں وُہی چیز درست اور مبنی برحق ہے جسے سائنس تسلیم کرے۔ کم علمی اور بنیادی اِسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی بناء پر وہ مذہبی عقائد کو بھی

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

ڈھکوسلا سمجھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کو موت کے بعد قیامت کے دِن زندہ ہوکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے اَعمال کا حساب دینا ہے، جس کے نتیجے میں وہ جنت یا جہنم (کی صورت میں جزا و سزا) سے ہم کنار ہوگا۔ اُس زندگی کا نام اُخروی زِندگی ہے اور اُس زِندگی پر اِیمان لانے کا نام 'اِیمان بالآخرت' ہے۔ آخرت اور حیات بعد الموت کا اِنکار کرنے والا اِسلام کے بنیادی عقائد سے اِنکار کی وجہ سے دائرہ اِسلام سے خارِج ہو جاتا ہے۔

اَللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اِرشاد فرمایا:

حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ۝ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ (المؤمنون، ۲۳: ۹۹، ۱۰۰)

''یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کو موت آ جائے گی (تو) وہ کہے گا: اَے میرے ربّ! مجھے (دُنیا میں) واپس بھیج دے ۝ تاکہ میں اُس (دنیا) میں کچھ نیک عمل کر لوں جسے میں چھوڑ آیا ہوں، ہرگز نہیں! یہ وہ بات ہے جسے وہ (بطورِ حسرت) کہہ رہا ہوگا اور اُن کے آگے ایک دن تک ایک پردہ (حائل) ہے (جس دن) وہ (قبروں سے) اُٹھائے جائیں گے ۝''

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: تصنیف شیخ الاسلام ''تعلیماتِ اسلام'')

نوٹ: قیامت کے حوالے سے سائنسی دلائل سے آگہی کے لئے پہلی جلد میں 'اِسلام اور جدید سائنس' کے ذیل میں 'قیامت کا سائنسی تصور' ملاحظہ فرمائیں۔ اِسی طرح 'حیات بعد الموت' کے حوالے سے آگہی کے لئے 'طبِ جدید' کے ذیل میں 'اِسلام اور جینیاتی انجینئرنگ' کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

51- قیامت کب آئے گی؟ (کیا چودہ صدیوں بعد قیامت ہوگی؟)

قیامت کی آمد کے وقت سے تو صرف اللہ ربّ العزت ہی آگاہ ہے، اَلبتہ ہمیں تاجدارِ کائنات ﷺ نے قیامت کی کئی اَیسی نشانیاں بتائی ہیں جن کا قیامت سے قبل وقوع پذیر ہونا ضروری ہے۔ اُن نشانیوں میں بہت سی رُونما ہوچکی ہیں، جنہیں علاماتِ صغریٰ کہا جاتا ہے۔ جب کہ علاماتِ کبریٰ کہلانے والی نشانیاں اَبھی معرضِ وُجود میں آنا باقی ہیں۔ جو نشانیاں اَبھی ظہور میں نہیں آئیں اُن میں سے چند یہ ہیں: خروجِ دجال، آمدِ اِمام مہدیؑ، نزولِ سیدنا عیسیٰؑ،

خروجِ دابۃُ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع (اَیسا زمین کی اُلٹی گردش کے سبب ممکن ہوگا) اور سورج کا زمین سے فاصلہ اِس قدر کم رہ جانا کہ سطحِ اَرض جھلس جائے، وغیرہ۔

لوگوں میں قیامت کی آمد کے متعلق جو چودہ صدیوں کا قصہ پایا جاتا ہے وہ قطعی بے بنیاد ہے اور قرآن و حدیث کی تعلیمات میں اُس کا کوئی تصوّر موجود نہیں۔ لوگوں میں محض ایک غلط مفروضہ رواج پا گیا ہے، جس کا سبب شاید انگریز کی غلامی کے دَور میں بعض نشانیوں کا ظہور ہوسکتا ہے، جسے دیکھ کر لوگوں نے چودھویں صدی کو آخری صدی سمجھنا شروع کر دیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی اَکرم ﷺ نے قیامت کی جو نشانیاں ہمیں بتائی ہیں اُن میں سے بہت سی اَبھی وقوع پذیر ہی نہیں ہوئیں۔

ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ گویا حضور ﷺ نے توجہ دِلائی کہ قیامت کے آنے کا حساب لگانے والوں کو چاہیئے کہ وہ قیامت کا حساب لگانے کی بجائے اُس دِن کی تیاری کریں جب اُنہیں اَللہ کے حضور اپنے اَعمال کے حوالے سے جواب دِہ ہونا ہوگا۔ ایک اور حدیثِ مبارکہ میں حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ. (كشف الخفاء، ١: ١٥١)

''جو شخص مر گیا تحقیق اُس کی قیامت (اُسی وقت) آ گئی۔''

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 469)

52- آمدِ اِمام مہدیؑ

سیدنا اِمام محمد مہدی علیہ السلام کی آمد کے حوالے سے آج کل مختلف قسم کے اِعتقادی فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ اُن میں سے پہلا فتنہ یہ ہے کہ بعض اَہلِ علم کے نزدِیک اِمام محمد مہدیؑ نام کی کوئی شخصیت نہیں ہے اور کسی معین شخص کو اِس نام سے نہیں آنا بلکہ ہر دَور میں ایک مہدی ہوتا ہے۔ اِس خیال کے پیشِ نظر بہت سے لوگوں نے اپنے آپ کو مہدی خیال کیا اور گمراہ ہو گئے۔

دُوسرا فتنہ یہ کہ کچھ لوگ خود مہدی ہونے کا اِعلان کر رہے ہیں۔ اُنہی میں سے ایک مرزا غلام اَحمد قادیانی بھی تھا، جس نے نبوت کے دعویٰ سے پہلے مہدی ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔

تیسرا فتنہ یہ کہ آج جس سے خود مہدی ہونے کا اِعلان نہ ہوسکا وہ یہ دعویٰ کربیٹھتا ہے کہ اِمام مہدی پیدا ہوچکے ہیں اور اِس خیال وتصور کوبعض نام نہاد مفکرین خوب شائع کر رہے ہیں۔ یہ فتنہ صرف پاک و ہند ہی میں نہیں عالمِ عرب بھی اِس فتنہ کی لپیٹ میں ہے کہ اِمام مہدی پیدا ہو چکے ہیں۔

چوتھا فتنہ یہ کہ بعض لوگ اَیسے جھوٹے دعووں سے متاثر ہوکر آمد اِمام مہدیؑ کے حوالے سے شکوک وشبہات میں بھی گِھرے ہوئے ہیں اور آپؑ کی آمد کوتوہمات اور خصوصاً شیعہ حضرات کی گھڑی ہوئی باتیں تصور کرتے ہیں۔ یہ خیال سراسر باطل ہے، اِس لئے کہ اِمام مہدیؑ کے حوالے سے حضور ﷺ کے اِرشادات کثرت سے کتبِ حدیث میں منقول ہیں، لہٰذا اِمام مہدیؑ کی آمد کا اِنکار کرنا حقیقت میں فرامینِ مصطفیٰ ﷺ کے اِنکار کے مترادِف ہوگا۔

حدیثِ مبارکہ میں تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

لاتذهب الدُّنيا حتى يملك العرب رجلٌ مِن أهلِ بيتِي يوا طِي إِسمُهٗ إِسمِي.

(سنن ترمذی، رقم: 2230)

''دُنیا اُس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک میرے اَہلِ بیت میں سے ایک شخص جو میرا ہم نام ہوگا عرب کا حکمران نہ بن جائے''۔

حضور نبی اکرم ﷺ سے مروِی کثیر اَحادیث و رِوایات کے مطابق سیدنا اِمام مہدیؑ کی پیدائش مدینہ طیبہ میں اِس وقت موجود ''قرعۃ'' نامی قصبہ میں ہوگی اور آپ 30 سے 40 سال کا عرصہ مدینہ طیبہ میں ہی گزاریں گے۔ بعد اَزاں ایک حج کے موقع پر مکہ المکرّمہ میں حجرِ اَسود اور مقامِ اِبراہیم کے درمیان آپ کے ہاتھ پر 313 اَکابرینِ اُمت بیعت کریں گے اور سات علماء اُمت پہلے بیعت کریں گے۔ حضرت اِمام مہدیؑ اِس اُمت کے مجددِ اَعظم اور آخری مجدد ہوں گے۔

اِمام مہدیؑ کی علامات

اِمام مہدیؑ کا نام محمد ہوگا...... والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہوگا...... والد کی طرف سے حسینی اور والدہ کی طرف سے حسنی ہوں گے...... حضرت فاطمہؓ کی اَولاد سے ہوں گے...... آپ کی داڑھی گھنی ہوگی...... آپ کی دائیں گال پر ایک تل ہوگا...... آپ کے کندھوں کے درمیان نبی اَکرم ﷺ کے اِسمِ مبارک کی مہر ہوگی...... اُونی چادریں

پہن رکھی ہوں گی...... ہاتھ میں حضور ﷺ کی تلوار ہوگی...... جوان ہوں گے...... عمر 30 سے 40 کے درمیان ہوگی...... درمیانہ قد...... اکہرا جسم...... سیاہ زلفیں...... بڑی آنکھیں جو سرمہ لگائے بغیر سرمہ لگی محسوس ہوں...... چہرہ سفید، سرخی مائل...... چمکتے ہوئے ستارے محسوس ہوں گے...... شخصیت و حسن عربی، جسامت عجمی (عرب و عجم کے خواص کی جامع)...... چوڑی پیشانی...... ناک اُونچی...... دانت آگے سے کھلے ہوں گے اور اُن سے نور نکلتا ہوگا...... سر پر عمامہ...... کملی اوڑھے ہوئے ہوں گے۔

اِمام مہدیؑ کا ظہور اور وُقوعِ قیامت

اِمام مہدیؑ کے ظہور کے بعد یکے بعد دِیگرے جو حالات پیش آئیں گے، اَحادیثِ مبارکہ میں اُن کا ذکر بھی موجود ہے اور اُس واقعاتی تسلسل کا انجام وُقوعِ قیامت پر ہوگا۔ اِمام مہدیؑ کے ظہور کا مطلب یہ نہیں کہ بس وہ ظاہر ہوگئے اَب معلوم نہیں قیامت کب آئے گی اور شاید لاکھوں سال اَبھی قیامت کے ظہور کے لئے باقی ہیں۔ اَحادیثِ مبارکہ کے مطابق سیدنا اِمام مہدیؑ کے ظہور کے بعد وُقوع پذیر ہونے والے واقعات اِس ترتیب سے ہوں گے:

1. اِمام مہدیؑ کی ظہور کے بعد مدتِ حیات: .... 40 سال
2. اِمام مہدیؑ کے خلفاء (المنصور اور ہشام المہدی) کی مدتِ حکومت: .... 23 یا 27 سال
3. خوشبودار ہوا کا دَور (جس کے چلنے سے مؤمنین وفات پا جائیں گے): .... 120 سال
4. نَفخۃُ الاُولی اور نَفخۃُ الثّانیہ کی درمیانی مدت: .... 40 سال

یوں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اِمام مہدیؑ کے بعد اَحادیثِ نبویہ کی روشنی میں تقریباً 227 سال کا عرصہ قیامت آنے تک باقی ہوگا۔ گویا اِمام مہدیؑ کے ظہور کے 227 سال بعد قیامت کا آنا یقینی ہے۔

اِمام مہدیؑ کا ظہور کب ہوگا؟

اِس حوالے سے کوئی شخص حتمی اور قطعی بات نہیں بتا سکتا۔ ذیل میں ہمارا بیان کردہ تخمینہ ہمارے مطالعہ اَحادیث کا ماحصل ہے۔ اِسے دعویٰ نہ سمجھا جائے کہ اِتنے ہی عرصہ کے بعد اِمام مہدی تشریف لائیں گے اور اُن کے اِتنے عرصہ بعد قیامت قائم ہوگی۔ یہ تخمینہ اور مدت کے تعین کا اندازہ اِس لئے ضروری ہے کہ بعض اَحباب نے اِمام مہدیؑ کو پیدا کرنا شروع کر دیا ہے اور اُنہیں ایک عام سا اِنسان تصور کیا جا رہا ہے کہ آئیں گے اور پھر اُن کی وفات

ہو جائے گی۔ اِس غلط فہمی کا اِزالہ اَز حد ضروری ہے۔

اِبن ماجہ کتاب الفتن میں قیامت کی 10 نشانیوں کے بیان کے بعد حضرت اَبوقتادہؓ رِوایت کرتے ہیں:

اَلْآيَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَيْنِ. (ابن ماجه كتاب الفتن، رقم: ۴۰۴۷)

’’یہ نشانیاں کسی دُوسری صدی ہجری میں ہوں گی‘‘۔

اِس حدیث کو اِمام حاکمؒ نے مستدرک میں بھی بیان کیا اور کہا کہ یہ حدیث شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ اِس حدیث کو اِمام جلال الدین سیوطیؒ نے ’الحاوِی للفتاوی‘ میں بیان کیا اور اِمام نعیم بن حمادؒ (اِمام بخاریؒ کے شیخ) نے کتابُ الفتن میں رِوایت کیا ہے۔

اِن تمام اَئمہ و محدثین نے مختلف روایات سے بیان کیا کہ یہ 10 آیات کسی ہزاری (millenium) کے مکمل ہونے کے بعد دُوسری صدی ہجری کے اَواخر میں ظاہر ہوں گی۔ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب قربِ قیامت کی مذکورہ دس نشانیاں دُوسری صدی ہجری میں ظاہر ہونا شروع ہوں گی۔

سال 1426ھ اپنے ہزاری (millenium) کی پانچویں صدی ہجری ہے۔ اگر اِس ہزاری میں اِمام مہدیؑ کو آنا ہوتا تو وہ 200 سال قبل آ چکے ہوتے، یعنی موجودہ ہزاری (millenium) میں اُن کے ظہور کا ممکنہ زمانہ گزر چکا ہے۔ اور اگر وہ 200 سال قبل آ چکے ہوتے تو آج وہ دس علامتیں پوری ہوجانے کے بعد قیامت بھی آ چکی ہوتی۔

اَب اِس ہزاری (millenium) کی دُوسری صدی تو گزر چکی لہٰذا اِمام مہدیؑ کی پیدائش اور ظہور کا دعویٰ کرنے والے اِس دُوسرے ہزاری کے آخر تک اُن کے ظہور کا خیال دِل سے نکال دیں اور اَگلے ہزاری یعنی تیسرے ہجری ملینیئم کی تیسری صدی تک اِنتظار کریں۔

حدیثِ مبارکہ کی رُو سے دُوسری صدی کے بعد نشانیاں شروع ہوں گی اور تیسری صدی کے شروع میں اِمام مہدیؑ کا ظہور ہوگا اور قربِ قیامت کی علامات ظاہر ہوں گی۔ اگر اَگلے ہزاری (millenium) کی تیسری صدی کے شروع میں بھی نہ آئے تو پھر اُس سے اَگلے ہزاری کی تیسری صدی کا اِنتظار کرنا ہوگا۔ ایک بات حضور ﷺ نے طے کر دی ہے کہ جب بھی علاماتِ قیامت ظاہر ہونا شروع ہوں گی وہ کسی ہجری ملینیئم کی دُوسری صدی ہجری ہی ہوگی۔ ہزاری (millenium) بدل سکتا ہے مگر صدی بدل نہیں سکتی۔ حضور ﷺ نے صدی کا تعین کر دیا ہے کہ جب تیسری صدی ہجری شروع ہوگی تو علامات کا ظہور شروع ہو جائے گا اور قربِ قیامت کی سب سے پہلی نشانی اِمام مہدیؑ کا ظہور ہے۔ پس اِمام مہدیؑ کے ظہور کے لئے ہزاری (millenium) کا تعین نہیں کیا جا سکتا، مگر علی الاقل، قریب سے

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

قریب تر بھی سمجھ لیا جائے تو یہ آج (یعنی 1426ھ) سے تقریباً پونے آٹھ سو سال بعد کا زمانہ بنتا ہے۔

اِمام نعیم بن حمادؒ اپنی کتاب الفتن جلد اوّل صفحہ 336 پر حدیث نمبر 962 میں رِوایت کرتے ہیں، جسے اِمام جلال الدین سیوطیؒ نے بھی 'الحاوِی للفتاوی' میں بیان کیا ہے کہ ''جب اِمام مہدیؑ کا ظہور ہوگا اور اُن کے دستِ اَقدس پر بیعت ہوگی تو اُن کی آمد کا سن 204 ہوگا''۔ (الحاوِی للفتاویٰ، جلد۲ ص ۱۳۹)

جب اِس سن 204 کو سامنے رکھیں تو قریب سے قریب تر تصور کیا جائے کہ آٹھ سو سال میں حالات و واقعات بدل چکے ہوئے ہوں گے تو اِمام مہدیؑ کا ظہور 2204 ہجری (یعنی 2783عیسوی) میں متوقع ہے۔ آج 1426 ہجری ہے، یعنی آج سے تقریباً 778 سال بعد اِمام مہدیؑ تشریف لائیں گے۔ اگر 2204ھ میں بھی وہ تشریف نہ لائے تو پھر اگلے ہزاری میں سال 3204ھ کا اِمکان ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

آخر میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ اِمام مہدیؑ کی آمد کے حوالے سے یہ تخمینہ اور اَندازہ قطعی طور پر ہمارا دعویٰ نہیں بلکہ مطالعہ حدیث کا ماحصل ہے کہ جو کچھ ہم نے اَحادیثِ نبویہ ﷺ سے سمجھا اُسے اِمام مہدیؑ کی آمد کے حوالے سے پھیلائے جانے والے فتنوں کو قلع قمع کرنے کے لئے آپ کے سامنے بیان کر دیا۔

علماء کے لئے اِنتباہ

علماء کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ عوامُ الناس کے سامنے اِمام مہدیؑ کی آمد کے وقت کا تعین کرتے ہوئے اِحتیاط کے دامن کو تھام کر بات کریں اور چھوٹے موٹے زلزلوں اور اِکا دُکا علاماتِ دَورِفتن کو دیکھ کر اِمام مہدیؑ کے ظہور کے قریب ہونے کا دَعویٰ نہ کریں۔ یہ رویہ اِسلام کے لئے فائدہ مند نہیں، بلکہ اَغیار تو اَغیار اپنوں کے عقائد کو بھی اِس سے ٹھیس پہنچے گی۔ اِس لئے کہ جب بعض علماء آمد اِمام مہدیؑ کے وقت کا تعین کر دیں گے کہ عنقریب اُن کا ظہور ہونے والا ہے اور اِس بارے اَحادیث بھی بیان کریں گے اور وہ نہ آئے اور لوگ اِنتظار ہی کرتے رہے تو مسلمانوں کے دِلوں سے اِمام مہدیؑ کی آمد کے متعلق موجود عقیدہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گا اور وہ یہ تصور کر بیٹھیں گے کہ اِمام مہدیؑ نام کی کوئی شخصیت سرے سے موجود ہی نہیں۔ نیز اِس کے ساتھ ساتھ اَحادیث کی صحت کے بارے میں بھی اُن کا اِیمان خطرہ میں پڑ جائے گا اور وہ دِیگر عقائد پر بھی سوچنے لگیں گے۔ پس علماء کو اِس بارے اِحتیاط کرنی چاہیئے۔ اِس لئے بھی کہ اَبھی وہ عالمی حالات و واقعات نہیں ہیں، جن کے تناظر میں یہ دَعویٰ کیا جا سکے کہ اِمام مہدیؑ کی آمد کا وقت بالکل قریب ہے۔

(برائے مزید معلومات ملاحظہ ہو: خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 468 اور 469)

مآخذ و مراجع

1-	الاحکام	اِبن حزم، علی بن احمد بن سعید اندلسیؒ
2-	تاریخ دمشق الکبیر	اَبو قاسم علی ابن عساکرؒ
3-	تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانیؒ
4-	تفسیر ابن کثیر	اِبن کثیرؒ، ابوالفداء اسمٰعیل بن عمرؒ
5-	التفسیر الکبیر	محمد بن عمر بن حسن رازیؒ
6-	جامع ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ
7-	الجامع لاحکام القرآن	ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبیؒ
8-	الجامع الصغیر	اِمام جلال الدین سیوطیؒ
9-	الحاوی للفتاویٰ	اِمام جلال الدین سیوطیؒ
10-	الدر المنثور فی التفسیر بالماثور	اِمام جلال الدین سیوطیؒ
11-	سنن نسائی	اَحمد بن شعیب نسائیؒ
12-	سنن ابوداؤد	اَبوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانیؒ
13-	سنن ابن ماجہ	اَبوعبداللہ محمد بن یزید قزوینیؒ
14-	السنن الکبریٰ	اَبوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ
15-	السیر الصغیر	امام محمد بن حسن الشیبانیؒ
16-	شعب الایمان	اَبوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ
17-	صحیح ابن حبان	اَبو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبانؒ
18-	صحیح بخاری	اَبوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ
19-	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج قشیریؒ
20-	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	امام بدر الدین عینیؒ
21-	فتح الباری	اِبن حجر عسقلانیؒ
22-	کتاب الفتن	اِمام نعیم بن حمادؒ
23-	کشف الخفاء	ابوالفداء اسمٰعیل بن محمد عجلونیؒ

-24	مسند احمد بن حنبل	اَبو عبداللہ احمد بن حنبلؒ
-25	المستدرک علی الصحیحین	اَبو عبداللہ محمد حاکم بن عبداللہؒ
-26	المصنف	عبدالرزاق ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانیؒ
-27	المصنف	اِبن اَبی شیبہؒ
-28	المعجم الکبیر	سلیمان بن اَحمد طبرانیؒ
-29	نوادرُ الاُصول فی اَحادیث الرسول ﷺ	حکیم ترمذیؒ
-30	Islamic Political Thought	William Montgomery Watt

تصانیف شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

-31	اِسلام اور جدید سائنس	-37	اِقتصادیاتِ اِسلام
-32	اِسلام میں اِنسانی حقوق	-38	تعلیماتِ اِسلام
-33	اسلام میں بچوں کے حقوق	-39	دہشت گردی اور فتنہ خوارج
-34	اِسلام میں خواتین کے حقوق	-40	عرفان القرآن
-35	اِسلام میں عمر رسیدہ اور معذور اَفراد کے حقوق	-41	میثاقِ مدینہ
-36	اِسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اُصول	-42	میلاد النبی ﷺ

خطابات شیخ الاسلام (سی ڈی نمبرز)

25	41	393	424	445
468	469	575	753	757
768	894	1001	1002	1066
1080	1156	1294	1329	

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی سیکڑوں تصانیف انٹرنیٹ پر مفت مطالعہ و ڈاؤن لوڈنگ کے لئے www.minhajbooks.com پر اور ہزارہا خطابات www.deenislam.com پر مفت اِستفادہ کے لئے دستیاب ہیں۔